اُردو

جلد هفتم

حصۂ بست و هفتم

جولائی سنہ ۱۹۲۷ء

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ اُن کی زبانی

از

(جناب مرزا فرحت‌الله بیگ صاحب، بی۔ اے)

الله الله - ایک وہ زمانہ تھا کہ میں اور ڈاکٹر مولوی صاحب مرحوم کی باتیں سنتے تھے - ان کی ہمت ہماری ہمت بڑھاتی تھی: ان کا طرز بیان ہماری تحریر رہبر ہوتا تھا؛ ان کی خوش مذاقی خود ان کو ہنساتی اور ہمارے پیٹ میں بل ڈالتی تھی؛ ان کی تکلیفیں خود اُن کو پرنم اور ہم کو تڑپاتی تھیں - اور آج وہ دن ہے کہ اُن کے حالات زبان قلم پر لانے سے ڈر لگتا ہے - وجہ یہ ہے کہ وہ بزرگ ہستی "اخوت اسلامی کا سبق پڑھے ہوئے تھی - اس کو اپنے بل بوتے پر ترقی کرنے پر ناز تھا - وہ چھوٹے درجہ سے بڑے درجہ پر ترقی کرنا اپنا کارنامہ سمجھتی تھی اس نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کر دکھایا وہ کسی کی خوشامد، کسی کی سفارش یا کسی خاندانی وجاهت کے باعث نہ تھا - وہ تڑپا اور دنیا کا وسیع اکھاڑا - وہ اپنے دست و بازو کے بھروسے پر اس میدان میں اترا - ہر مصیبت کا سامنا اپنی ذاتی قابلیت و ہمت سے کیا - جس کام میں ہاتھ ڈالا اس کی تکمیل میں خون پانی ایک کر دیا - اور دنیا پر بخوبی ثابت کر دیا کہ بے یاری و مددگاری ترقی کی راہ میں ایسی رکاوٹیں نہیں ہیں جو بآسانی ہٹائی نہ جا سکیں اور خاندانی تعلقات کی عدم موجودگی ایسی چیز نہیں ہے جو مانع ترقی ہو سکے - جب کبھی جوش میں

آتے تو ہمیشہ (I am a self-made man) کا فقرہ ضرور استعمال کرتے۔اور جب کبھی اس پہلو پر نصیحت کرتے تو ہمیشہ یہی فرماتے کہ بیٹا جو کچھہ کرنا ہے خود کرو: باپ دادا کی ہڈیوں کے واسطے سے بھیک نہ مانگتے پھرو—

انسان فطرت سے مجبور ہے جب دنیا کی نظریں اس پر پڑنے لگتی ہیں تو وہ ہمیشہ اپنی پہلی حالت کی کمزوریوں کو چھپاتا اور خوبیوں کو دکھاتا ہے۔ جس طرح بڑے بڑے گھرانوں کی نا اہل اولاد اپنے باپ دادا کے نام سے اپنی نالائقی کو چھپاتی ہے اسی طرح غریب گھرانوں کی لائق اولاد چاہتی ہے کہ ان کے باپ دادا کے نام لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائیں۔ یہ ہے ہماری اخلاقی کمزوری اور یہ ہے ہماری اسلامی تعلیم سے بے خبری۔ ایک مولوی نذیر احمد خاں تھے جو اپنے آبا و اجداد کا نقشہ اصلی رنگ میں دکھاتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے ان کو اپنی ابتدائی غربت پر ناز تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ میاں اگر لفٹنٹ گورنر کے بیٹے ہو تو کم سے کم ڈپٹی کمشنر تو ہو جاؤ۔ دس روپئے کے اہلکار ہوکر باپ کو لفٹنٹ گورنر کہتے ہوے تمہیں شرم نہیں آتی'—

بہر حال یہ فطرت انسانی کا خیال تھا جس نے اب تک مجھے مولوی صاحب مرحوم کے حالات لکھنے سے روکا۔ بہت کچھہ لکھہ لیا تھا وہ پھاڑ ڈالا کہ کہیں اپنچ چھوڑ کمپیٹن میں نہ پڑ جاؤں لیکن رہ رہ کر جوش آتا تھا اور ٹھنڈا پڑ جاتا تھا۔ خدا بھلا کرے مولوی عبدالحق صاحب کا کہ انہوں نے مجھے اس اگر مگر سے نکالا اور دل کی باتوں کو حوالۂ قلم کرنے پر آمادہ کر دیا۔ اب جو کچھہ کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا ہے وہ لکھونگا اور بے دھڑک لکھونگا' خواہ کوئی برا مانے یا بھلا۔ جہاں مولوی صاحب مرحوم کی خوبیاں دکھاؤنگا وہاں اُن کی کمزوریوں کو بھی ظاہر کر دونگا تا کہ اس مرحوم کی اصلی اور جیتی جاگتی تصویر کھنچ جاے اور یہ چند صفحات ایسی سوانح عمری نہ بن جائیں جو کسی کے خوش کرنے یا جلانے کو لکھی گئی ہو۔ میں واقعات کے بیان کرنے میں کوئی سلسلہ بھی قایم

لہ کرونگا کیونکہ یہ بناوٹ کی صورت ہے، جس موقعہ پر جو کچھہ سنا یا دیکھا اس کو جوں کا توں لکھہ دونگا اور ہمیشہ اس امر کی کوشش کرونگا کہ جہاں تک ممکن ہو واقعات مولوی صاحب ہی کی زبان میں بیان کئے جائیں، انشاءاللہ واقعات کے اظہار میں مجھہ سے غلطی نہ ہوگی، ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض نام بھول جانے کی وجہ سے چھوڑ جاؤں یا غلط لکھہ جاؤں۔ اب رہا سچ یا جھوٹ تو اس کی مجھے پرواہ نہیں - میں اپنے محترم اُستاد کے حالات لکھہ رہا ہوں، اگر سچ ہیں تو میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں، اگر جھوٹ ہیں تو وہ خود میدان حشر میں سود در سود لگا کر تاوان وصول کر لیں گے—

اب رہا طرز بیان تو اس میں میں متانت کو بالائے طاق رکھدیتا ہوں۔ کیوں کہ مولوی صاحب جیسے خوش مذاق آدمی کے حالات لکھنے میں متانت کو دخل دینا ان کا مذاق چڑانا ہی نہیں ان کی توہین کرنا ہے - بلکہ یوں کہو کہ سید انشاء کو میر اور مارک ٹوئین کو امرسن بنانا ہے - جب اپنی زندگی میں انھوں نے میری شوخ چشمی کی ہنس ہنس کر داد دی تو کوئی وجہ نہیں کہ اب وہ اپنی وضعداری کو بدل دیں اور میری صاف گوئی کو گستاخی قرار دیکر دعویدار ہوں—

——(چل رے خامہ بسم اللہ)——

سنہ ۱۹۰۲ء میں میں نے اور میاں دانی نے ہندو کالج دھلی سے ایف - اے کا امتحان پاس کیا اور دونوں مشن کالج میں داخل ہو گئے - ایف - اے میں میرا مضمون اختیاری سائنس اور دانی کا عربی تھا - انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ بی - اے میں عربی لیلو، دونوں کو ایک دوسرے سے مدد ملے گی اور امتحان کی تیاری میں سہولت ہوگی - مجھے اپنے حافظہ پر گھمنڈ تھا یہ بھی نہ سمجھا کہ اس مضمون کو سنبھال بھی سکوں گا یا نہیں، جھٹ راضی ہو گیا - القصہ ہم دونوں بی - اے کے درجۂ ابتدائی میں شریک ہو گئے - ہمارے عربی کے پروفیسر مولوی

جمیل الرحمن صاحب تھے: بڑے الله والے لوگ تھے - عربی کا گھنٹه بآسانی تصوف کی باتوں میں گزر جاتا تھا - کچھ تھوڑا بہت پڑھ بھی لیتے تھے - دانی کچھ سمجھتے ہوں تو سمجھتے ہوں، کمترین تو طوطے کی طرح حفظ کر لیتا تھا - اب رهی صرف و نحو اس میں تو کورا کا کورا ہی رہا - سنتے آئے ہیں که "مصیبت کہکر نہیں آتی" لیکن یه نہیں سنا تھا که "عربی کے پروفیسر کہکر نہیں جاتے" ایک دن جو مولوی صاحب کے کمرے میں ہم دونوں پہنچے تو دیکھا که کمرہ خالی ہے - دریافت کیا تو معلوم ہوا که مولوی صاحب کل شام کو استعفاء دیکر کعبة الله چلدئیے - پرنسپل صاحب کے پاس پہنچے - ان سے پوچھا که دوسرے صاحب کب آتے ہیں - تو انہوں نے کورا جواب دیدیا که ہم عربی کی جماعت کا بندوبست نہیں کرسکتے - بہتر یه ہے که مضمون تبدیل کر لو - میں نے دانی سے کہا که بھئی تمہارے کہنے سے میں نے عربی لی تھی، اب میرے کہنے سے تم سائینس لے لو، جس سہولت کی بنا پر تم نے میرا مضمون بدلوایا تھا اب اسی سہولت کے مد نظر اپنا مضمون بدلو - بقول شخصے که "مرتا کیا نه کرتا" وہ راضی ہوگئے دفتر میں جاکر جو لکچروں کا حساب کیا تو معلوم ہوا که مضمون تبدیل کرنیکا وقت نہیں رہا - لکچر کم رہ جائینگے اور اس طرح بجائے دوسال کے تین سال میں شریک امتحان ہونا پڑیگا - سنگ آمد و سخت آمد - جب " وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے " کی صورت آپڑی تو دوسرے ٹھکانے کی تلاش ہوئی - دونوں سر ملا کر بیٹھے، مشورے کئے، رزولیشن پاس ہوئے، آخر یه تجویز پاس ہوئی که " خاک از تودہ کلاں بردار " کے مقولے پر عمل کرکے کسی زبردست مولوی کو گھیرنا چاہئے - دلی میں دو تین بڑے عربی داں مانے جاتے تھے - ایک مولوی محمد اسحاق صاحب، دوسرے شمس العلماء مولوی ضیاءالدین خان صاحب ایل ایل ڈی اور تیسرے مولوی نذیراحمد خانصاحب - پہلے کو تو دیوانگی سے فرصت نه تھی اس لئے وہاں تو دال گلتی معلوم نہیں ہوئی - قرعه دوسرے صاحب پر پڑا - گرمیوں کا زمانه تھا، مولوی ضیاءالدین

صاحب جامع مسجد میں رات کے دس گیارہ بجے تک بیٹھے وظیفہ پڑھا کرتے تھے
ہم دونوں نے بھی جاکر شام ہی سے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ڈیرے ڈال دئے۔ آٹھ بجے
نو بجے دس بج گئے ۔ مولوی صاحب نہ آج نکلتے ہیں نہ کل خدا خدا کر کے دروازہ
سے قندیل نکلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ ہم دونوں بھی ہاتھہ پاؤں جھٹک کر خوشامد
کے فقرے کے فقرے سوچ کھڑے ہوگئے ۔ ہم آخری سیڑھیوں پر کھڑے تھے اس لئے
دروازے میں سے پہلے قندیل نکلتی نظر آئی اس کے بعد جس طرح سمندر کے کنارے
سے جہاز آتا دکھائی دیتا ہے اسی طرح پہلے مولوی صاحب کا عمامہ اس کے بعد
ان کا نورانی چہرہ سرمگیں آنکھیں' سفید ریش مبارک ' سفید جبہ اور سب سے آخر
زرد بانات کی سلیم شاہی جوتیاں نظر آئیں آہستہ آہستہ اُنھوں نے سیڑھیوں سے
اُترنا اور اوپر تلے ہمارے سانس نے چڑھنا شروع کیا۔ ہم سوچتے ہی رہے کہ راستہ
روک کر کھڑے ہوجائیں وہ ستّ سے پاس سے نکل گئے ۔ آخر ذرا تیز قدم چلکر ان کو
جا لیا اور نہایت ادب سے دونوں نے جھک کر فراشی سلام کیا ۔ وہ سمجھے کوئی
راہگیر ہیں ۔ میری یہ وجاہت کی وجہ سے سلام کر رہے ہیں ۔ یہ نہ سمجھے کہ سائل
ہیں' ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے۔ وہ تو سلام لیتے ہوئے آگے بڑھے اور ہم نے وہی
پہلے والی ترکیب کی کہ چکر کہا کر پھر سامنے آگئے ۔ یہ دیکھکر وہ ذرا ٹھٹکے ۔
پوچھا "میں نے آپ صاحبوں کو نہیں پہچانا ' کہا مجھہ سے کوئی کام ہے " رام کہانی
بیان کرکے عرض مدعا زبان پر لائے ۔ فرمانے لگے " تمکو معلوم ہے کہ میں پنجاب
یونیورسٹی کا ممتحن ہوں " بجنسہ اسی لہجے میں یہ الفاظ ادا کئے جیسے اس زمانے
میں کوئی کہے " تم کو معلوم ہے کہ میں سی ۔ آئی ۔ ڈی کا انسپکٹر ہوں " لیکن ہم
جان سے ہاتھہ دھوئے بیٹھے تھے' عرض کیا کہ ہم امتحان میں رعایت کے طالب
نہیں ' تعلیم میں مدد چاہتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ " تمکو تعلیم دینا اور پھر ممتحن
رہنا میرے ایمان کے خلاف ہے ۔ کسی دوسرے کی تلاش کیجیے " ممکن ہے کہ یہ
مسئلہ کوئی جزو ایمان ہو ۔ ممکن ہے کہ پنجاب یونیورسٹی نے مولوی صاحب سے

تعلیم نہ دینے کا حلف لے لیا ہو - بہر حال کچھہ بھی ہو - انہوں نے ہم دونوں
کو سلام علیکم کا ایک زور سے دھکا دیکر اور نوکر کو حکم دیا کہ آگے بڑھو -
وہ حکم کا بندہ قندیل اٹھا آگے چلا اور مولوی صاحب اس کے پیچھے پیچھے لمبے
لمبے ڈگ بھرتے روانہ ہوئے - ڈرتھا کہ کہیں یہ دونوں قطاع الطریق پھر راستہ
نہ روک لیں مگر مولوی صاحب کے طرز عمل اور سلام علیکم کے جھٹکے نے ہم دونوں
کو مضمحل کردیا تھا - جہاں کھڑے تھے وهیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور مولوی صاحب رخصت کے
دولیں کی گلی میں گھس اپنے کان میں داخل ہو گئے چلو امید نمبر ۲ پر پانی
پھر گیا - لیکن آیندہ کے لئے سبق مل گیا کہ ایسے زبردست دشمن پر کھلے میدان
میں حملہ کرنا خطرناک ہے : ایسے رستم کو پکڑنے کے لئے مغال بننا ضرور ہے - وهیں
سیڑھیوں پر بیٹھکر کونسل ہوئی اور رزولیوشن پاس ہوا کہ مولوی نذیر احمد
صاحب پر حملہ عبدالرحمن کی آڑ میں کیا جائے - اب میاں عبدالرحمن صاحب کا
حال بھی سن لیجئے - ان کے والد کا نام سراج الدین صاحب تھا - نہایت نیک اور
پرهیزگار شخص تھے - دونوں کی دوکان تھی - مولوی نذیر احمد صاحب اس دوکان
کو همیشہ رقمی مدد دیا کرتے تھے - اور روزانہ شام کو وهاں آکر بیٹھتے تھے
عبدالرحمن گو میرے هم جماعت نہ تھے لیکن آپس میں میل جول بہت تھا - مولوی
صاحب کو ان کی تعلیم کا بہت خیال تھا چنانچہ انہی کی وجہ سے عبدالرحمن نے
بی اے ایل ایل بی کے امتحانات پاس کئے - انہی کی وجہہ سے وکالت میں ترقی کی
یہانتک کہ مولوی صاحب هی کی دلچسپی کا نتیجہ ہے کہ اس وقت دهلی میں
ان کی ٹکر کا کوئی مسلمان وکیل نہیں ہے - اُس زمانے میں یہ ایف اے میں پڑھتے تھے —

بہر حال اسکیم تیار ہو گئی - اور دوسرے هی دن سے میں نے عبدالرحمن کو
گانٹھنا شروع کیا دوایک روز کے بعد ان سے اظہار مطلب کیا - کہنے لگے کہ "بھئی مولوی
صاحب کو فرصت کم ہے 'کہیں انکار نہ کر بیٹھیں"۔ میں نے کہا کہ " میاں عبدالرحمن
تم ان تک همکو پہنچادو اگر هوسکے تو ایک دو کلمۂ خیر بھی همارے حق میں کہدو' آگے

هم جانیں اور ہماری قسمت " وہ راضی ہوگئے اور کہا کہ " شام کو آٹھ بجے دوکان پر آجانا میں مولوی صاحب سے ملوا دونگا " - اندھا کیا چاہے دو آنکھیں - ٹھیک آٹھ بجے ہم دونوں سراج الدین صاحب کی دوکان پر پہنچے - یہ دوکان فتح پوری کی مسجد کے قریب تھی - جاکر کیا دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب بیٹھے سراج الدین سے کچھ رقم کا حساب کر رہے ہیں - ہم نے جاتے ہی فراشی سلام کئے اور خاموش تخت کے کونہ پر بیٹھ گئے - سراج الدین صاحب نے خیریت پوچھی - عبدالرحمن ہمارے پاس آبیٹھے - مگر مولوی صاحب روپئیوں کے حساب کتاب میں اس قدر مشغول تھے کہ انہوں نے دیکھا بھی نہیں کہ کون آیا ' دون گیا ' میں نے سوچا کہ یہاں بھی معاملہ پٹتا' معلوم نہیں ہوتا' دھتکار سن کر یہاں سے بھی نکلنا پڑے گا - سچ ہے مایوسی انسان کو ہمت والا بنا دیتی ہے -" مرتا کیا نہ کرتا" - میں نے بھی سوچ لیا کہ آج اس پار یا اُس پار - مولوی ضیاءالدین صاحب تو بچ کر نکل گئے لیکن مولوی نذیر احمد صاحب سے دو دو ہاتھ ہوجائیں گے - قصہ مختصر مولوی صاحب حساب سے فارغ ہوے اور پوچھا کہ یہ دونوں صاحب کون ہیں - عبدالرحمن نے ہمارے نام بتائے - کچھ اُلٹے سیدھے خاندانی حالات بھی بیان کئے اس کے بعد ہماری مصیبت کا بھی ذرا سا تذکرہ کیا اور خاموش ہوگئے - میں نے دل میں کہا "پرائے برتے کھیلا جوا' آج نہ سواکل موا" اب میاں عبدالرحمن کو رہنے دو جو کچھ کہنا ہے خود کہہ ڈالو' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں سے بھی بے نیل مرام باضابطہ پسپائی ہو - میں نے نہایت رقت آمیز لہجے میں اپنی مصیبت کا تذکرہ شروع کیا - فرمانے لگے " تو عربی چھوڑ دو' سائنس پڑھو - بیٹا آج کل مسلمانوں کو سائنس کی بڑی ضرورت ہے - ہمارے یہاں مثل ہے - پڑھیں فارسی بیچیں تیل' یہ دیکھو قدرت کے کھیل - فارسی پڑھ کر تیل تو بیچ لوگے' عربی پڑھ کر تیل بھی بیچنا نہ آئیگا " - ان کی اس پرمذاق گفتگو سے ہم دونوں کے دل بڑھ گئے - ہم رہنے والے ٹھیرے جامع مسجد کے نیچے کے' بھلا

ایسی باتوں میں ہم سے کون ور آسکتا ہے۔ ہم نے بھی ایسے ہی شگفتہ الفاظ میں جواب دیا۔ مولوی صاحب پہلے تو مسکراتے رہے اس کے بعد کھلکھلاکر ہنس دئیے۔ دانی کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگے کہ "یہ بڑا غریب معلوم ہوتا ہے مگر تو بڑا بدمعاش ہے۔ بیٹا جاؤ کسی دوسرے مولوی صاحب کی تلاش کرو۔ دلی میں کیا مولویوں کا کال ہے۔ مجھے ذرا بھی فرصت ہوتی تو کبھی انکار نہ کرتا"۔ میں نے عرض کی کہ "جناب والا کا ارشاد بالکل صحیح ہے مگر جو مولوی ہیں وہ پڑھاتے نہیں اور جو پڑھاتے ہیں وہ مولوی نہیں ہیں"۔ کہنے لگے "نہیں ایک آدھ ایسا بھی نکل آئیگا جو مولوی بھی ہوگا اور پڑھا ئیگا بھی۔ جناب شمس العلماء مولوی ضیاء الدین صاحب ایل ایل ڈی (یہ الفاظ بہت طنز سے کہے) کے پاس جاؤ۔ ان کو فرصت بھی ہے اور عالم بھی ہیں"۔ میں نے کہا کہ "اس کے ساتھ وہ پنجاب یونیورسٹی کے ممتحن بھی ہیں"۔ کہنے لگے "میں اس کا مطلب نہیں سمجھا"۔ یہاں تو جلے بیٹھے ہی تھے، جامع مسجد کی سیڑھیوں والا واقعہ خوب نمک مرچ لگاکر بیان کیا۔ بہت ہنسے اور کہنے لگے کہ "بھئی تم لونڈوں سے ڈرنا چاہئیے۔ ضیاء الدین کو اگر خبر ہوجاے کہ ان کے اوصاف حمیدہ و خصائل پسندیدہ سراج الدین کی دوکان پر اس طرح معرض بحث میں آتے ہیں تو یقین جانو کہ نالش ٹھونک دیں۔ اچھا بھئی میں تم کو پڑھاؤنگا۔ مگر تم بھاگ جاؤگے"۔ ہم دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا "نہیں، ہرگز نہیں" مولوی صاحب نے کہا کہ "چھٹی ایک دن کی نہ ہوگی"۔ ہم نے کہا "بہت خوب"۔ مولوی صاحب نے کہا کہ "عید بقر عید کو بھی آنا پڑیگا"۔ ہم نے کہا کہ "بہت مناسب۔ کل کس وقت حاضر ہوں" مولوی صاحب تھوڑی دیر تک انگلیوں پر کچھ اپنے وقت کا حساب کرتے رہے، اس کے بعد کہا۔ "دو پہر کوتیرہ بجے"۔ ہم نے کہا "بہت خوب"۔ چونکہ ان باتوں میں رات زیادہ ہوگئی تھی اس لئے مولوی صاحب دوکان پر سے اُٹھے۔ ہم سب نے سلام کیا اور وہ وعلیکم السلام کہتے ہوے تشریف لے گئے۔ یہاں میں یہ ضرور کہونگا کہ

سراج الدین صاحب نے وقتاً فوقتاً ہماری ہاں میں ہاں ملاکر اس فیصلے میں بڑی مدد کی۔ ہم دونوں بھی خوش خوش اٹھے اور سلام علیکم وعلیکم السلام کرکے دوکان سے چلے۔ راستے میں دانی نے کہا "میاں مرزا بڑے میاں نے مار ڈالا۔ بھئی گیارہ بجے کالج سے پڑھ کر نکلیں گے، کشمیری دروازے سے چل کر چوڑیوالوں آتے آتے ساڑھے گیارہ بج جائیں گے دم نہ لینے پائیں گے کہ مولوی صاحب کے ہاں چلنے کی تیاری کرنی پڑے گی۔ کہاں چاوڑی اور کہاں کھاری باولی، جون کا مہینہ کہیں راستہ میں لو لگ کر تیں نہ ہوجائیں"۔ میں نے کہا "میاں دانی۔ کچھہ دنوں چل کر دیکھو شاید مولوی صاحب کو رحم آجائے"۔ مگر ان کو آخر تک رحم نہ آنا تھا نہ آیا۔ لطف یہ ہے کہ جاڑوں میں صبح ساڑھے چھہ بجے سے تعلیم کا وقت مقرر ہوا۔ لیکن ایمان کی بات ہے کہ مولوی صاحب ہی کی ہمت تھی جو وہ ہمارے پڑھانے کو تیار ہوگئے۔ بیچاروں کا ایک منٹ خالی نہ تھا۔ اور انھوں نے جو وقت ہم کو دیا تھا وہ اپنے آرام کے وقت میں سے کاٹ کر دیا تھا۔ تقریباً دو برس تک ہم ان سے پڑھتے رہے نہ ہم نے کبھی گرمی یا سردی کی شکایت کی اور نہ کبھی وقت بدلنے کا لفظ زبان پر لائے۔ نہ ان دو سال میں ایک دن ناغہ کیا۔ یہاں تک کہ مولوی صاحب بھی ہمیشہ کہتے تھے کہ "بیٹا جب تم دونوں آتے ہو میرا دل خوش ہوجاتا ہے۔ کیونکہ میں تم میں طالب علمی کی بو پاتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تعلیم کس کو کہتے ہیں اور علم کیونکر حاصل ہوتا ہے جس طرح ہم نے پڑھا ہے۔ کچھہ ہمارا ہی دل جانتا ہے۔ اس زمانے کے لونڈوں پر اگر ایسی بپتا پڑے تو گھر چھوڑ کر بھاگ جائیں مگر (میری طرف دیکھکر) اُستاد تم سے مجھے کچھہ توقع نہیں۔ تم صرف بی۔اے پاس کرنے کی فکر میں ہو۔ دانی کو شوق ہے یہ عربی میں ترقی کرے گا۔ مگر تم کورے کے کورے ہی رہوگے۔ اور انشاءاللہ پانچ چھہ ہی برس میں میری ساری محنت اکارت کردوگے" خدا کے فضل سے ان کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی —

اس سے پہلے کہ میں مولوی صاحب کی ابتدائی تعلیم کا ذکر کروں، میں

مولوی صاحب کی شکل و صورت، مکان کی حالت، انکے رہنے سہنے کے طریقے اورانکے مشاغل کا نقشہ دکھلادینا مدنظر ہے۔ خیال کرتا ہوں تاکہ مولوی صاحب کے کیرکٹر کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ لیکن سینہ بیٹھو نرات کا یہ قلم چڑھانے سے قبل میں اپنے طرز بیان کے متعلق معافی مانگ لیتا ہوں - کیونکہ میری شوخی بعض جگہ حد تجاوز سے بڑھ جائیگی - لیکن آپ تمام قارئین کرام کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر مولوی صاحب خود اپنی سوانح عمری لکھتے تو اسی رنگ میں لکھتے اور اگر آپ انکی صحبت میں رہے ہوتے تو آپکو بھی انکے حالات لکھتے وقت میری ہی طرح معافی مانگنی پڑتی - ورنہ آپ کی تحریر بجائے مولوی نذیر احمد صاحب کی سوانح عمری کے کسی ٹھونٹ ملا کے بے لطف واقعات کا ایک مجموعہ ہوجاتی - خدا بہتر جانتا ہے کہ اسوقت بھی لکھتے لکھتے پنسل ہاتھ سے رکھ دیتا ہوں اور ایک عالم بیخودی مجھپر چھا جاتا ہے - مولوی صاحب کی کوئی بات نہ تھی جس میں خوش مذاقی کا پہلو نہ ہو - کوئی قصہ نہ تھا جس میں ظرافت کوٹ کوٹ کر نہ بھری ہو - کوئی طرز بیان نہ تھا جو ہنساتے ہنساتے نہ لٹا دے - وہ دوسروں کو ہنساتے تھے اور چاہتے تھے کہ دوسرے اپنی باتوں سے انکو ہنسائیں - یہی وجہ تھی کہ ہم (اور خاصکر میں) مولوی صاحب کے سامنے بہت شوخ ہو گئے تھے - لیکن وہ طرح ہی نہیں دیتے تھے بلکہ کہا کرتے تھے کہ مجھے مقطع اور مسمسے شاگردوں سے نفرت ہے - اسکے بعد بھی اگر کوئی صاحب یہ توقع رکھیں کہ میں مولوی صاحب کے حالات متانت کا پہلو اختیار کر کے لکھوں تو میں اسکا صرف یہی جواب دونگا کہ " ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں" -

لیجئے اب مولوی صاحب کا حلیہ سنئے۔

رنگ سانولا مگر روکھا قد خاصہ اونچا تھا مگر چوڑان نے لمبان کو دبا دیا تھا - دھرا بدن گدرا ہی نہیں بلکہ موٹا پے کی طرف کسیقدر مائل - فرماتے تھے کہ بچپن میں ورزش کا شوق تھا - ورزش چھوڑ دینے سے بدن جسطرح مرسروں کا

تھیلا ہوجاتا ہے بس یہی کیفیت تھی - بھاری بدن کی وجہ سے چونکہ قد ٹھنگنا
معلوم ہونے لگا تھا اسلئے اسکا تکملہ اونچی ترکی ٹوپی سے کردیا جاتا تھا -
کمر کا پھیر ضرورت سے زیادہ تھا - توند اس قدر بڑھ گئی تھی کہ گھر میں ازاربند
باندھنا بے ضرورت ھی نہیں تکلیف دہ سمجھا جاتا تھا - اور محض ایک گرہ کو کافی
خیال کیا گیا تھا - گرمیوں میں تہمد (تہ بند) باندھتے تھے؛ اسکے پلو اُڑسنے کی بجاے
ادھر اُدھر ڈال لیتے تھے ' مگر اُٹھتے وقت بہت احتیاط کرتے تھے - اول تو
قطب سے بیٹھے رھتے تھے' اگر اٹھنا ہوا تو پہلے اندازہ کرتے تھے کہ فی الحال
اٹھنے کو ملتوی کیا جا سکتا ہے یا نہیں - ضرورت نے بہت ھی مجبور کیا تو
ازاربند کی گرہ یا تہمد کے کونوں کے اُڑسنے کا دباؤ توند پر ڈالتے تھے - سر بہت
بڑا تھا مگر بڑی حد تک اس کی صفائی کا انتظام قدرت نے اپنے اختیار میں رکھا تھا -
جو تھوڑے رھے سہے بال تھے وہ اکثر نہایت احتیاط سے صاف کرا دئے جاتے تھے- ورنہ
بالوں کی یہ لکیر سفید مقیش کی صورت میں ٹوپی کے کناروں پر جھالر کا نمونہ
ہو جاتی تھی - آنکھیں چھوٹی چھوٹی ذرا اندر کو دھنسی ہوئی تھیں - بھویں
گھنی اور آنکھوں کے اوپر سایہ افگن تھیں - آنکھوں میں غصب کی چمک تھی - وہ
چمک نہیں جو غصہ کے وقت نمودار ہوتی ہے بلکہ یہ وہ چمک تھی جس میں شوخی
اور ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری تھی - اگر میں ان کو " مسکراتی ہوئی آنکھیں"
کہوں تو بیجا نہوگا - کلہ جبڑا بڑا زبردست پایا تھا - چونکہ دھانہ بھی بڑا تھا اور
پیٹ کے محیط نے سانس کے لئے گنجائش بڑھا دی تھی' اس لئے نہایت اونچی آواز
میں بغیر سانس کھینچے بہت کچھہ کہہ جاتے تھے - آواز میں گرج تھی مگر لوچ کے
ساتھہ - کوئی دور سے جو سنے تو یہ سمجھے کہ مولوی صاحب کسی کو ڈانٹ رھے
ھیں لیکن پاس بیٹھنے والا ھنسی کے مارے لوٹ رہا ھو - جوش میں آکر جب آواز
بلند کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ترم بج رہا ہے - اسی لئے بڑے بڑے جلسوں پر
چھا جاتے تھے - اور پاس اور دور بیٹھنے والے دونوں کو ایک ایک حرف صاف صاف

سنائی دیتا تھا۔ ناک کسی قدر چھوٹی تھی اور نتھنے بھاری۔ ایسی ناک کو گنواروں کی اصطلاح میں "کاجر" اور دلی والوں کی بول چال میں "پھلکی" کہا جاتا ہے۔ گو متانت چھو کر نہیں گئی تھی لیکن جسم کے بوجھ نے رفتار میں خود بخود متانت پیدا کر دی تھی۔ داڑھی بہت چھدری تھی، ایک ایک بال بآسانی گنا جا سکتا تھا۔ لبے تو کبھی قینچی کے منت کش نہیں ہوئے البتہ ٹھوڑی کا کچھ حصہ کبھی کبھی ہموار کرا لیا جاتا تھا۔ داڑھی کی وضع قدرت نے خود فرنچ فیشن بنا دی تھی۔ بالوں میں سے ٹھوڑی اس طرح دکھائی دیتی تھی جیسے اکس ریز (X Rays) ڈالنے سے کسی بکس کے اندر کی چیز۔ ٹھوڑی چوڑی اور ان کے ارادے کے پکے ہونے کا اظہار کرتی تھی۔ گردن چھوٹی مگر موٹی تھی۔ ایجئے یہ ہیں مولوی نذیر احمد خاں صاحب —

اب رہی لباس کی بحث تو اس کا بھی حال سن لیجئے۔ جنھوں نے اسٹیج پر ان کو شالی رومال باندھے کشمیری جبہ یا ایل۔ ایل۔ ڈی کا گون پہنے دیکھا ہے انھوں نے عالی جناب شمس العلماء مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں صاحب ایل۔ ایل۔ ڈی مد ظلہ العالی کو دیکھا ہے، مولوی نذیر احمد صاحب کو نہیں دیکھا۔ ان کے گھر کے اور باہر کے لباس میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اگر ان کو روزانہ باہر نکلنے کا شوق نہ ہوتا تو لباس کی مد ہی ان کے اخراجات کی فہرست سے نکل جاتی۔ جب شام کو گھر سے نکلتے تو عموماً ترکی ٹوپی یا چھوٹا سفید صافہ باندھکر نکلتے تھے۔ گرمیوں میں نہایت صاف شفاف سفید اچکن اور سفید کرتہ پیجامہ ہوتا۔ اور جاڑوں میں کشمیرے کی اچکن یا کشمیری کام کا جبہ۔ چونکہ سراج الدین صاحب سے لین دین تھا اس لئے لال نری کا سلیم شاہی جوتہ زیادہ استعمال کرتے تھے پھر بھی وقت بے وقت کے لئے دو انگریزی جوڑے لگا رکھے تھے جن پر میری یاد میں پالش ہونے کی کبھی نوبت نہ آئی، یہاں تک کہ دونوں سوکھ کر کھڑنک ہو گئے تھے۔ الٰہی کا پاؤں تھا کہ ان چینیوں کے سے سخت جوتوں کی برداشت کرتا تھا

جرابوں سے انھیں ھمیشہ نفرت تھی - گو دربار میں جانے کے لئے دو ایک جوڑیاں
پاس رھتی تھیں - یہ تو پبلک کے مولوی صاحب ھوے - اب ھمارے مولوی صاحب
کو دیکھئے - آئیے میرے ساتھ چوڑیوالوں سے چلئے - چوڑیوالوں سے نکل کر چاوڑی
میں آئیے، اُلٹے ھاتھ کو مڑ کر قاضی کے حوض پر سے ھوتے ھوے سرکی والوں پر سے
گزر کر لال کوئیں پہنچئیے - آگے بڑھئے تو بڑیوں کا کٹرہ ھے - وھاں سے آگے چل کر
نئے بانس میں آئیے - یہ سیدھا راستہ کھاری باولی کو نکل گیا ہے - نکڑ سے ذرا
ادھر ھی دائیں ھاتھ کو ایک گلی مڑی ھے، یہ بتاشہ والوں کی گلی ھے - بتاشے بنتے
ھوے ھم نے سب سے پہلے یہیں دیکھے - یہاں اچار چٹنیوں والوں کی بیسیوں دکانیں
ھیں انھی دوکانوں کے بیچ میں سے ایک گلی سیدھے ھاتھ کو مڑی ھے، تھوڑی ھی
دور جا کر بائیں طرف ایک پتلی سی گلی اس میں سے کٹ گئی ھے، اس گلی میں
پہلا ھی مکان مولوی صاحب کا ھے - مکان دو منزلہ ھے اور نیا بنا ھوا ھے - صفائی کی
یہ حالت ھے کہ تنکہ پڑا ھوا نظر نہیں آتا - دروازے کے باھر دونوں پہلوؤں میں
دو سنگین چوکیاں ھیں - دروازے کو عبور کرنے کے بعد صحن میں آتے ھیں - صحن
کسی قدر چھوٹا ھے - سیدھی طرف دفتر ھے جہاں اکثر دو تین آدمی بیٹھے ھوے
کلام مجید پر حا کیا کرتے ھیں - اس کے مقابل بائیں طرف باورچی خانہ ھے، چولہے
بنے ھوے ھیں، آگ جل رھی ھے - مگر برتن اور ھنڈیاں وغیرہ جو باورچی خانہ کا
جزو لاینفک ھیں سرے سے ندارد ھیں - آگ صرف حقہ کے لئے سلگائی جاتی ھے -
کھانا دوسرے گھر سے پک کر آتا ھے - دروازے کے بالکل سامنے اکہرا دالان ھے اور
اندر ایک لمبا کمرہ - گرمی کا موسم ھے اور مولوی صاحب ایک چھوٹی سی میز
کے سامنے بیٹھے کچھ لکھ رھے ھیں - کمرے کے دو دروازے بند ھیں ایک کھلا ھے -
باھر ایک بڑھیا پھونس چماری بیٹھی پنکھے کی رسی کھینچ رھی ھے - ھاں تو میں
کیا تصویر دکھانا چاھتا تھا؟ مولوی صاحب کا لباس - مگر خدا کے فضل سے ان کے
جسم پر کوئی لباس ھی نہیں ھے جس کا تذکرہ کیا جائے - نہ کرتہ ھے نہ ٹوپی

قدِ پیجامہ، ایک چھوٹی سی تہمد برائے نام کمر سے بندھی ہوئی ہے، بلندھی ہوئی نہیں ہے محض لپٹی ہوئی ہے، لیکن گرہ کے جلجال سے بے نیاز ہے۔ کمرے میں نہایت اجلی چاندنی کا فرش ہے۔ ایک طرف پلنگ بچھا ہوا ہے کبھی اس پر چادر ہے کبھی نہیں ہے۔ سرہانے تکیہ رکھا ہے مگر اس کی رنگت کا بیان احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ البتہ جس گاؤ تکیہ سے مولوی صاحب لگے بیٹھے ہیں وہ بہت صاف ہے۔ قالین بھی عمدہ اور قیمتی ہے۔ اگر مولوی صاحب کی حالت دیکھکر آپ سوال کر بیٹھیں کہ "مولانا ایں چہ کار است کہ کردۂ" تو انشاء اللہ یہی جواب ملیگا کہ "محتسب را درون خانہ چہ کار" جاڑوں میں مکان کے اوپر کے حصہ میں رہتے تھے۔ چلئے وہاں کا بھی رنگ دکھادوں۔ صدر دروازے سے ملا ہوا زینہ ہے اور سیڑھیوں کے ختم ہونے پر غسلخانہ اور بیت الخلاء ہے۔ اس کے بعد ایک دروازہ آتا ہے۔ دروازہ سے گزر کے چھت پر آتے ہیں۔ سامنے ہی ایک کمرہ ہے اور اس کے دونوں جانب کوٹھریاں۔ غسلخانے کے بالکل مقابل دوسری طرف ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ آخر آخر میں مولوی صاحب یہیں رہا کرتے تھے جس زمانے میں ہم پڑھتے تھے تو ان کی نشست سامنے والے بڑے کمرے میں تھی۔ یہاں بھی چاندنی کا فرش ہے اس پر قالین، پیچھے گاؤ تکیہ، سامنے ایک چھوٹی نیچی میز، پہلو میں حقہ۔ اس کی حقیقت کیا حقہ بیان کرنا مشکل ہے۔ مولوی صاحب کو حقہ کا بہت شوق تھا مگر تمباکو ایسا کڑوا پیتے تھے کہ اس کے دھوئیں کی کڑواہٹ بیٹھنے والوں کے حلق میں پھندا ڈالدیتی تھی۔ فرشی قیمتی تھی مگر چام پھسے کی دو والی اور نیچہ، تو خدا کی پناہ۔ اس کے تیار ہونیکی تاریخ لوگوں کے دلوں سے مدت کی محو ہوچکی تھی۔ ایک آدہ دفعہ ایک صاحب نے نیچہ بدلنے کا ارادہ بھی کیا مگر مولوی صاحب نے نیچے کو دورو کا مترادف قرار دیکر ایسا سخت فقرہ کسا کہ بیچارے ٹھنڈے ہوکر رہ گئے۔ خیر جاڑے کا موسم ہے۔ مولوی صاحب بیٹھے حقہ پی رہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں۔ سر پر کنٹوپ ہے۔ مگر بڑا دقیانوسی۔ کبھی کانوں

کو ڈھکے ہوے اور ڈوریاں نیچے لٹکتی ہوئیں ، کبھی اس کے دونوں پا کھے اوپر کی طرف سیدھے کھڑے ہوکر لاٹ پادری کی ٹوپی کا نمونہ بن جاتے اور ڈوریاں طرے کا کام دیتیں ، کبھی پاکھوں کو سر پر اوپر تلے ڈوریوں سے کس دیا جاتا اور اس طرح کنٹوپ فلٹ کیپ کی شکل اختیار کرلیتا - جسم پر روئی کی مرزئی مگر ایسی پرانی کہ اس کی روئی کی گرمی مدت سے مائل بہ سردی ہوچکی ہے - اوپر صندلی رنگ کا دھسہ پڑا ہوا - لیجیئے دیکھا آپ نے ہمارے مولوی صاحب کو - چار بجے' اور مولوی صاحب نے آواز دی " پانی تیار ہے " جواب ملا " جی ہاں " مولوی صاحب غسل خانے میں گئے : کپڑے بدل (یا یوں کہو کہ جون بدل) باہر نکل آئے اور چلے ٹاؤن ہال کو - اب یہ ہمارے مولوی صاحب نہیں رہے آپ کے مولوی صاحب ہوگئے ---

گھر میں اس لباس سے استغناء کے کئی باعث تھے - اول تو یہ بات تھی کہ ان کو اپنے کاموں ہی سے فرصت نہیں تھی- پڑھنے پڑھانے اور لکھنے لکھانے میں ان کا دن گزر جاتا تھا- دوسرے یہ کہ وہ بہت کم لوگوں سے مکان پر ملتے تھے جس کو ملنا ہوتا تو؛ شام کو ٹاؤن ہال کی لائبریری میں ان سے جاکر مل آتا تھا- جو لوگ مکان پر آتے تھے وہ یا تو ان کے شاگرد ہوتے تھے یا خود صاحب کمال - اور ظاہر ہے کہ ایسے صاحب کمال لوگ ظاہری حالت کو نہیں دیکھتے-یہ دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب ہیں کتنے پانی میں-لباس سے اس بےاعتنائی کی تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے گھر کو اپنا گھر سمجھتے تھے-کسی دوسرے کا دولتخانہ نہیں جانتے تھے- ان کو جس طرح آرام آتا اس طرح رہتے- جی چاہتا پہنتے نہ جی چاہتا نہ پہنتے -البتہ جب باہر جاتے " تو کھائیے من بھاتا پہنئے جگ بھاتا " پر عمل کرتے - اصل عالم تو گھر پر تھے : باہر نکل کر ظاہری عالم بھی بن جاتے- سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ گھر میں کوئی عورت نہ تھی جو ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتی - یا کم سے کم ان کا کلنٹوپ' مرزئی یا سرھانے کے تکیہ کا غلاف تو بدل دیا کرتی - گھر میں تھا کون' ایک مولوی صاحب

دوسرا ایک کانڑا تڑو بدھو نفر - ان کا نوکر خدا بخش ' وہ بھی ایسا بے پرواہ کہ خدا کی پناہ - ظالم نے بہرا بن کر کام سے اور اپنا پیچھا چھڑالیا تھا - مولوی صاحب کی آواز جس سے مردے قبر میں چونک پڑیں اس کو کبھی نہ سنائی دے اور جب تک کسی نے جاکر اس کا شانہ نہ ہلایا ' اس نے ہمیشہ سنی کو ان سنی کردیا البتہ حقے کے معاملے میں بڑا تیز تھا - یا تو اس کو یہ خیال تھا کہ حقے بغیر مولوی صاحب کے ہاں گزارہ ہونا دشوار ہے یا یہ وجہ تھی کہ تمباکو زیادہ صرف کرنے میں اس کو دو ایک پیسے روز ملجاتے تھے - غرض یہ حال تھا کہ حقہ پورا سلگا بھی نہیں ہے اور وہ چلم اٹھا کر لے چلا - مولوی صاحب ہاں ہاں کرتے ہی رہے اس نے جا چلم اُلٹ دی - دوسرا سلفہ رکھہ' آگ بھر ' چلم حقہ پر لاکر رکھدی - تواگرم حقہ بھڑک گیا - میاں نوکر صاحب کو پھر بلا کر توا ٹھنڈا کرنے اور چلم بھروانے کی ضرورت پیش آئی - غرض سارے دن ان کا یہی کام تھا اور وہ اس میں خوش اور بہت مگن تھے ---

جرمنی کے مشہور فلسفی کانٹ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ وقت کا اس قدر پابند تھا کہ لوگ اس کو دیکھکر اپنی گھڑیاں ٹھیک کر لیتے تھے - بعض یورپ پرست اس کی پابندئی اوقات کو یورپ والوں کا ہی حصہ خیال کریں تو خیال کریں میں تو یہ کہتاہوں کہ صرف دھلی میں میں نے تین ایسے شخص دیکھے ہیں جو آندھی آئے مینہ آئے' روزآنہ چھہ بجے ٹاؤن ہال کی لائبریری میں آتے تھے ادھر اُنھوں نے لائبریری کے دروازے میں قدم رکھا اور ادھر گھنٹہ گھرنے چھہ بجائے - لطف یہ ہے کہ ان میں سے ایک مشرق میں رھتا تھا تودوسرا مغرب میں- یہ تین شخص کون تھے - ایک منشی ذکاءالله صاحب' دوسرے رائے بہادر پیارے لال صاحب اور تیسرے مولوی صاحب-ایک چیلوں کےکوچہ سے آتا تھا' دوسرا دریبہ سے اور تیسرا کھاری باولی سے-ایسا کبھی نہیں ہوا کدایک نے آکر دوسرے کا انتظار کیا ہو-اگر ان میں سے کوئی ایک نہ آتا تھا تو ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا کہ نہ آنے والا ایسا بیمار ہے کہ

چلنا دشوار ہے - اور یہ نتیجہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوا - میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے کہ اگر کسی شخص کو ان تینوں میں سے کسی سے ملنا ہوتا اور چھ بجے سے ذرا پہلے لائبریری کے کسی ملازم سے جاکر دریافت کرتا تو یہی جواب ملتا کہ "اب آتے ہی ہو نگے چھ بجن دو ہی منٹ تو رہ گئے ہیں"۔ دوسرے دو صاحبوں کا ٹائم ٹیبل تو مجھے معلوم نہیں البتہ مولوی صاحب کی مصروفیتوں کا حال لکھتا ہوں - انکے اس نظام اوقات میں گرمی اور جاڑے کے لحاظ سے کچھہ کچھہ تغیر ہو جاتا تھا - وہ ہمیشہ بہت سویرے اٹھنے کے عادی تھے - گرمیوں میں اٹھتے ہی نہاتے تھے - اور ضروریات سے فارغ ہوکر نماز پڑھتے - انکی صبح کی اور عصر کی نماز کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی - باقی کا حال اللہ کو معلوم ہے - نہ میںنے دریافت کیا اور نہ مجھہ سے کسی نے کہا - صبح کی نماز پڑھکر کچھہ تلاوت کرتے - ادھر ذرا دن چڑھا ' ادھر مولویوں کی جماعت اور خود مولوی صاحب کا ناشتہ داخل ہوا - اس جماعت میں بخارا ' کابل ' سرحد وغیرہ کے لوگ تھے - انکی تعداد کوئی ۱۵ ' ۱۶ تھی - محنت ایسی کرتے تھے کہ دوسرا کرے تو مرجائے لیکن تھوڑے ایسے تھے کہ مولوی صاحب بھی زچ ہوجاتے تھے - خوش مذاقی تو انھیں چھوکر نہیں نکلی تھی - خود مذاق کرنا تو کجا دوسرے کا مذاق بھی نہیں سمجھہ سکتے تھے - متانت اور ادب کا یہ حال تھا کہ آنکھہ اٹھا کر مولوی صاحب کو دیکھنا سوء ادبی سمجھتے تھے اب انکے " وہ عمامے اونچے اونچے یہ بڑی بڑی ڈاڑھیاں " دیکھو اور مولوی صاحب کی حالت کا اندازہ کرو - بیچارے ناشتہ کرتے جاتے اور اپنا فرض اتارتے جاتے تھے عالم تھے دوسروں کو عالم بناتے تھے - لیکن کہا کرتے تھے کہ " ان فتحپوری کے ملانوں کو پڑھا کر میرا دل بیٹھہ جاتا ہے کیا کہوں - میں ہوں ہلسوز اور توے مقطع میرا تیرا میل نہیں 'کا نقشہ ہے ' ' یہ جماعت اٹھی اور مولوی رحیم بخش صاحب آ نازل ہوئے - کاغذوں کا تھا بغل میں ' ہاتھہ میں پنسل ' کان میں قلم '

ادھر فتحپوری کی جماعت نے کمرہ سے قدم نکالا ادھر انھوں نے کمرہ میں قدم رکھا۔ اب سلسلہ تصنیف و تالیف شروع ہوا۔ چونکہ آخر آخر میں مولوی صاحب کے ہاتھ میں رعشہ آگیا تھا، اسلئے لکھوانے کا کام اکثر انھیں سے لیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے کلام مجید اور حمائل شریف کی کاپیوں کی صحت کی جاتی۔ اسکے بعد مطبع کا حساب دیکھا جاتا اور پھر جدید تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوتا۔ یہ کام سمیٹتے سمیٹتے ساڑھے گیارہ، پونے بارہ بج جاتے۔ رحیم بخش صاحب کے اٹھتے ہی کھانا آتا۔ کھانا کھایا اور پلنگ پر لیٹ گئے۔ ادھر ڈیڑھ بجا اور ادھر ہم دونوں داخل ہوے۔ ہمارا قدم رکھنا تھا کہ مولوی صاحب اٹھ بیٹھے۔ ساڑھے تین بجے تک ہم سے سرمغزنی کرتے رہے۔ اگر کوئی دلچسپ بحث یا قصہ چھڑ گیا تو چار بج گئے۔ چار بجے اور مولوی صاحب غسل خانہ میں گئے۔ نہائے دھوئے کپڑے پہن نکل کھڑے ہوے۔ پہلے شمس العارفین کی دوکان پر ٹھیرے۔ یہاں بھی ان کا حساب کتاب تھا۔ وہاں کا کھاتہ دیکھا جو کچھ لینا دینا تھا لیا دیا اور سیدھے ٹاون ہال کی لائبریری میں پہنچ گئے۔ سات بجے تک وہاں ٹھیرے جس دو ملنا ہوا وہ وہاں مل لیا۔ سات بجے وہاں سے اٹھ کر سراج الدین صاحب کی دوکان پر آئے۔ یہاں بھی حساب کتاب کیا۔ عبدالرحمن کو پڑھایا۔ گھنٹہ بھر یہاں ٹھیر کر مکان پہنچ گئے۔ کھانا کھایا۔ کچھ لکھا پڑھا اور دس بجے سو رہے۔ جاڑے میں پروگرام میں یہ تبدیلی ہو جاتی تھی کہ پہلے صبح ہی صبح ہم پہنچتے تھے، اس کے بعد مولویوں کی جماعت آتی تھی، رحیم بخش صاحب کا نمبر سہ پہر میں آتا تھا —

خوش خوراک تھے اور مزے لے لے کر کھانا کھاتے تھے۔ ناشتے میں دو نیم برشت انڈے ضرور ہوتے تھے۔ میوہ کا بڑا شوق تھا۔ ناشتہ اور کھانے کے ساتھ میوہ کا ہونا لازم تھا۔ پڑھاتے جاتے اور کھاتے جاتے تھے۔ مگر مجھکو ایک حسرت رہ گئی کہ کبھی شریک طعام نہ ہو سکا۔ خیر ان پٹھانوں کی جماعت کی تو کیا صلا کرتے ان کے لئے تو مولوی صاحب کا ناشتہ اونٹ کے منہ میں زیرہ ہو جاتا۔ البتہ ہم

دونوں کی صلا نہ کرنا غضب تھا - کہتے بھی جاتے تھے " بھئی کیا مزے کا خربوزہ ہے"۔ "میاں کیا مزہ کا آم ہے" - مگر بندۂ خدا نے کبھی یہ نہ کہا کہ بیٹا ذرا چکھہ کر تو دیکھو یہ کیسا ہے - میں نے تو تہیہ کرلیا تھا (میاں دانی اب انکار کریں تو کریں لیکن ان کا بھی یہی ارادہ تھا) کہ مولوی صاحب اگر جھوٹے منہ بھی شریک ہونے کو کہیں تو ہم سچ مچ شریک ہو جائیں —

مولوی صاحب کو مسلمانوں میں تجارت پھیلانے کا شوق تھا اور اس غرض کے حاصل کرنے میں ان کو مالی مدد دینے میں کبھی انکار نہ ہوتا تھا - بے دریغ روپیہ دیتے تھے اور اکثر بڑی بڑی رقمیں ڈبو بیٹھتے تھے - کہا کرتے تھے " میاں میں سچ کہتا ہوں کہ اس تجارت کے شوق میں تین لاکھہ روپیہ کھو بیٹھا ہوں - پھر بھی جو کچھہ مجھے بعض کھرے دوکانداروں سے فائدہ پہنچا ہے اس نے میرے نقصان کی تلافی ہی نہیں کر دی بلکہ کچھہ نفع ہی پہنچا دیا ہے - بیٹا تم بھی تجارت کرو - روپیہ میں دیتا ہوں - نوکری کی کھکیڑ اٹھاؤگے تو مزا معلوم ہوگا" - جس طرح روپیہ دل کھول کر دیتے تھے اسی طرح حساب بھی بڑی سختی سے لیتے تھے - گرمی ہو یا جاڑا ، دھوپ ہو یا مینہ قرضداروں کے ہاں ان کا روزانہ چکر نہیں چھوٹتا تھا - گئے اور جاتے ہی پہلے " غلق " پر قبضہ کیا - اس کے بعد کھاتہ دیکھا ، کردی دیکھی ، سامان دیکھکر بکری کا اندازہ کیا ، روپیہ جیب میں ڈالا ، سلام علیکم وعلیکم السلام کیا اور چلدئے - دوسرے دوکاندار کے پاس پہنچے اور وہاں بھی وہی پہلا سبق دہرایا - کوڑی کوڑی کا حساب دیکھتے ، اعتراضوں کی بوچھاڑ سے پریشان کرتے اور کہتے جاتے " بھئی حساب جو جو بخشش سو سو" - فقرے کے پہلے جزو سے تو بیچاروں کو روزانہ واسطہ پڑتا لیکن دوسرے جزو کا دیکھنا کبھی کسی کو نصیب نہ ہوا - یہ ضرور ہے کہ اگر واقعی بازار کے مندہ ہونے یا کسی اور وجہ سے ان کے کسی قرضدار کا نقصان ہو جاتا یا دیوالہ نکل جاتا تو پھر اس قرضے کا ذکر زبان پر نہ لاتے - ان کو خیال تھا کہ دھلی کے پنجابی تجارت خوب سمجھتے ہیں ، ان کو دل

کھول کر روپیہ دیتے تھے اور اکثر انھیں کے ھاتھوں نقصان اٹھاتے تھے - مثال کے طور پر ایک واقعہ بیان کرتا ھوں - ایک صاحب جن کا نام ظاھر کرنا مناسب نہیں مولوی صاحب کے پاس آئے - تجارت کا ذکر چھیڑا - اور مولوی صاحب کو ولایتی جوتوں کے فائدے کے وہ سبز باغ دکھاے کہ تیسرے ھی روز بلا کسی طمانیت کے گیارہ ھزار روپئے کا چک مولوی صاحب نے ان کے نام لکھ دیا - بڑے ٹھاٹھ سے سنہری مسجد کے قریب دوکان کھولی گئی - مولوی صاحب جاتے' گھڑی دو گھڑی وھاں بیٹھتے - دوکاندار صاحب کی لچھے دار باتیں سنتے - چلتے وقت کچھ روپئے جیب میں ڈالنے کو مل جاتے اس لئے خوش خوش بغیر حساب کئے گھر آجاتے - یہی ٹھوکر تھی جس نے مولوی صاحب کو چوکنا کر دیا تھا اور وہ بغیر حساب کتاب دیکھے روپئے کو ھاتھ لگانا گناہ سمجھتے تھے - قصہ مختصر - اصل میں سے دو ڈھائی ھزار روپیہ مولوی صاحب کو تھما اس نے دیوالہ نکال دیا - قرقی ھوئی' مال نیلام چڑھا اور اس مہربان یار نے کُل سامان دوسروں کے ذریعہ سے خود خرید لیا - مولوی صاحب کو اس چال کی کانوں کان خبر نہ ھوئی - اس کے بعد آیا' بہت رویا' بہت ٹسوے بہائے' مولوی صاحب سمجھے بیچارے کو بڑا رنج ھوا - کہا " جاؤ بھئی جاؤ' تجارت میں یہی ھوتا ھے یا اس پار یا اُس پار" - چلو گئی گزری بات ھوئی - ایک روز خدا کا کرنا کیا ھوتا ھے کہ یہ چاوڑی میں جا رھے تھے' کچھ جھٹپٹا ھوا تھا کیا دیکھتے ھیں کہ دوکاندار صاحب خوب پیئے ھوے' عطر میں بسے' پھولوں کا کنٹھا گلے میں ڈالے ایک رنڈی کا ھاتھ پکڑے کوٹھے سے اُترے اور آکر ایک کُھلی گاڑی میں سوار ھوے - مولوی صاحب نے جو یہ رنگ دیکھا تو وھیں ٹھٹک گئے - اتنے میں انھوں نے بھی مولوی صاحب کو دیکھا' بہت مسکرا کر سلام کیا - رنڈی نے چپکے چپکے کچھ دریافت کیا تو ایک قہقہہ لگایا اور اونچی آواز میں کہا کہ "یہ سب کچھ مولوی صاحب ھی کی جوتیوں کا صدقہ ھے" - مولوی صاحب کے آگ لگ گئی - دوسرے دن ھی نالش ٹھونک دی اور آخر ان کو ٹھکانے لگا کر دم لیا -

لوگوں نے سفارشیں بھی کیں، انھوں نے خود بھی آکر بہت کچھ توبہ تلہ کی لیکن یہ نہ ماننا تھا نہ مانے - اور آخر جب اس کو کھک کر دیا اس وقت ان کو چین آیا —

دین لین سب کچھ کرتے تھے مگر حساب کتاب صرف دوسروں کی کتابوں یا ان کے دل میں تھا - کچھ تھوڑا بہت لوگوں کے کہنے سننے سے متفرق پرچوں پر لکھ بھی لیا تھا - لیکن اتنے بڑے بیوپار کے لئے جیسا دفتر چاہئے وہ انہوں نے نہ رکھنا تھا نہ رکھا —

سود لینا وہ جائز سمجھتے تھے - اگر کوئی حجت کرتا تو مارے تاویلوں کے اس کا ناطقہ بند کر دیتے - ایک تو حافظ دوسرے عالم تیسرے لسان، بھلا ان سے کون ور آسکتا تھا - اور تو اور خود مجھ سے سود لینے کو تیار ہوگئے - واقعہ یہ ہے کہ ہم پر متفرق قرضے تھے - خیال آیا کہ ایک جگہ سے قرض لیکر سب کو ادا کر دیا جائے - قرضہ کس سے لیا جائے، یہ ذرا ٹیڑھا سوال تھا - ہر پھر کر مولوی صاحب ھی پر نظر جاتی تھی - آخر ایک دن جی کڑا کر کے میں نے مولوی صاحب سے سوال کر ھی دیا - کہنے لگے "کتنا روپیہ چاھئے" - میں نے کہا "بارہ ہزار" - بولے "ضمانت" میں نے کہا "چوڑیوالوں والا مکان" - پوچھا "کتنی مالیت کا ھے" - میں نے کہا "کوئی ساٹھ ستر ہزار روپئے کا" - فرمایا "کل قبالہ لیتے آنا" - میں نے دل میں سوچا چلو چھٹی ہوئی - بڑی جلدی معاملہ پٹ گیا - دوسرے دن قبالہ لیکر پہنچا - پڑھکر کہا "ٹھیک ھے مگر بیٹا سود کیا دوگے" - میں نے کہا "مولوی صاحب آپ اور سود" کہنے لگے "کیوں اس میں کیا ھرج ھے، میں نہ دونگا تو کسی ساھوکار سے لوگے، اس کو خوشی سے سود دوگے - ارے میاں مجھے کچھ فائدہ پہنچاؤگے تو دین دنیا دونوں میں بھلا ھوگا - آخر میں تمھارا استاد ھوں یا نہیں - میرا بھی کچھ حق تم پر ھے یا نہیں جاؤ شاباش بیٹا اپنے چچا سے جا کر تصفیہ کر آؤ - کل ھی چک بنگال بنک کے نام لکھے دیتا ھوں" میں نے کہا "مولوی صاحب

لوگ کیا ڈھیلکے نہ مولوی ہوکر سود لیتے ہیں اور لیتے ہیں کس سے اپنے شاگردوں سے " - کہنے لگے " اس کی پرواہ نہ کرو جب مجھ پر کفر کا فتویٰ لگ چکا ہے تو اب مجھے ڈر ہی کیا رہا - جاؤ تمہارے ساتھ یہ رعایت کرتا ہوں کہ اوروں سے روپیہ سیکڑا لیتا ہوں تم سے چودہ آنے لونگا " -
میں نے آکر گھر میں ذکر کیا ہم کو دوسری جگہ سے آٹھ آنے سینکڑے پر روپیہ مل گیا اس لئے یہ معاملہ یونہی کا یونہی رہ گیا -

بھئی یہ قصہ تو سنا چکا - اب اصل کہانی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور مولوی صاحب کی ابتدائی تعلیم کے واقعات جو ان کی زبانی سنے تھے بیان کرتا ہوں -

ایک روز مولوی صاحب معلقات پڑھا رہے تھے ' عمرو بن کُلثوم کا قصیدہ تھا جب اس شعر پر پہنچے :-

ابا هند فلا تعجل علینا و انظرنا نخبرک الیقینا

تو بہت ہنسے - کتاب رکھدی اور ہنستے ہنستے لوٹ گئے - ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے - شعر میں کوئی ہنسی کی بات نہیں ' پھر مولوی صاحب کو یہ کیا مرض اٹھا ہے - آخر جب ہنسنے کا ذرا زور کم ہوا تو وجہ دریافت کی - مولوی صاحب پھر ہنسنے لگے - تھوڑی دیر کے بعد سنبھل کر بولے - " میاں بعض شعر قصہ طلب ہوتے ہیں - یہ شعر میری زندگی کے قصے کا آغاز ہے - اچھا لو سناتا ہوں - مگر پہلے تمہید سن لو - بھئی ہم بہت غریب لوگ تھے - نہ کھانے کو روٹی نہ پہننے کو کپڑا - تعلیم کا شوق تھا اس لئے پھرتا پھراتا پنجابیوں کے کٹرے کی مسجد میں ٹھہر گیا - یہاں کے مولوی صاحب بڑے عالم تھے - ان سے پڑھتا اور توکل پر گزارہ کرتا - مولوی صاحب کے دو چار شاگرد اور بھی تھے: انہیں بھی پڑھاتے' مجھے بھی پڑھاتے - دن رات پڑھنے کے سوا کچھ کام نہ تھا - تھوڑے سے دنوں

میں کلام مجید پڑھکر میں نے ادب پڑھنا شروع کیا - چار پانچ برس میں
معلقات پڑھنے لگا - گو عمر میری بارہ سال کی تھی مگر قد چھوٹا ہونے کی
وجہ سے نو دس برس کا معلوم ہوتا تھا - پڑھنے کے علاوہ میرا کام روٹیاں
سمیٹنا بھی تھا صبح ہوئی اور میں چھبڑی ہاتھ میں لے گھر گھر روٹیاں
جمع کرنے نکلا - کسی نے رات کی بچی ہوئی دال ہی دیدی ' کسی نے قیمے
کی لگدی ہی رکھدی ' کسی نے دوتین سوکھی روٹیوں ہی پر ٹرخایا -
غرض رنگ برنگ کا کھانا جمع ہوجاتا مسجد کے پاس ہی عبدالخالق
صاحب کا مکان تھا - اچھے کھاتے پیتے آدمی ہیں - انھی کے بیٹے ڈپٹی عبدالصامد
ہیں جو سامنے والے مکان میں رہتے ہیں - ان کے ہاں مرا قدم رکھنا مشکل تھا
ادھر میں نے دروازے میں قدم رکھا ' ادھر اُن کی لڑکی نے ٹانگ لی - جب تک
سیر دوسیر مصالحہ مجھ سے نہ پسوالیتی نہ گھر سے نکلنے دیتی نہ روٹی
کا ٹکڑا دیتی خدا جانے کہاں سے محلے بھر کا مصالحہ اٹھا لاتی تھی - پیستے
پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑگئے تھے ' جہاں میں نے ہاتھ روکا اور
اس نے بٹہ انگلیوں پر مارا - بخدا جان سی نکل جاتی تھی -
میں نے مولوی صاحب سے کئی دفعہ شکایت بھی کی مگر انھوں نے ٹالدیا -
خبر نہیں مجھ سے کیا دشمنی تھی چلتے چلتے تاکید کردیا کرتے تھے کہ
عبدالخالق صاحب کے مکان میں ضرور جانا - بہر حال سارا دہاڑی روز وہاں
جانا پڑتا اور روز یہی مصیبت جھیلنی پڑتی - تم سمجھے بھی کہ یہ لڑکی
کون تھی - میاں یہ لڑکی وہ تھی جو بعد میں ہماری بیگم صاحبہ ہوئیں -
جب سوچتا ہوں تو پچھلا نقشہ آنکھوں میں پھرجاتا ہے اور بے اختیار ہنسی
آجاتی ہے - اکثر ہم دونوں پہلی باتوں کو یاد کرتے اور خوب ہنستے تھے '
خدا غریق رحمت کرے - جیسی بچپن میں شریر تھیں ویسی ہی جوانی
میں غریب ہوگئیں - ان کے مرنے کے بعد ہماری تو زندگی کا مزا جاتا رہا -

بھئی دیکھئے میں نے بھی کیسے مزے کی تاریخ کہی ہے"۔ اس کے بعد انھوں نے عربی کے چار پانچ اشعار کا قطعہ سنایا مادہ تاریخ "اہاظفر" تھا۔ میں نے بڑی زور سے " اوں ہوں" کی' بگڑ کر میری طرف دیکھا اور کہا" کیوں آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہے"۔ میں نے عرض کی جی نہیں' لیکن اس قطعہ کو سنکر مجھے دبیر کی ایک رباعی یاد آگئی۔ کیا خوب لکھی ہے' فرماتے ہیں —

هم شان نجف نہ عرش اور ٹھیرا
میزاں میں یہ بھاری وہ سبکتر ٹھیرا
اس پلے میں تھا نجف اور اس پلے میں عرش
پہنچا وہ فلک پر یہ زمیں پر ٹھیرا

بڑے غور سے سنتے رہے۔ پھر کہنے لگے "یہ تو بے معنی ہے۔ نجف کی جگہ دنیا کی جس چیز کو رکھہ دو اس سے یہ رباعی متعلق ہوجائے گی اور وہ عرش سے بھاری ثابت ہوگی''۔ میں نے عرض کی کہ آپ کے قطعہ کو اس سال میں مرنے والی جس عورت سے متعلق کردو متعلق ہوجائیگا۔ اس تاریخ میں خوبی ہی کیا ہے' اول تو ایسی عام تاریخیں کچھہ قابل تعریف نہیں ہوئیں دوسرے سر سید کے تاریخ انتقال "غفرلہ" پر آپ نے صرف الف کا اضافہ کرکے اس کو اپنا مال کرلیا ہے۔ مسکراکر کہنے لگے۔ "اچھا بھئی تو ہی سچا سہی۔ اچھا اب اس جھگڑے کو چھوڑو اور میری اصل کہانی کو لو۔ ہاں تو فرصت کے وقت ہم دہلی کی گلیوں کا چکر لگاتے' کبھی کبھی کشمیری دروازہ کی طرف بھی نکل جاتے۔ ایک روز جو کشمیری دروازہ کی طرف گیا تو دیکھا کہ دہلی کالج میں بڑا ہجوم ہے۔ کالج وہاں تھا جہاں اب گورنمنٹ اسکول ہے؛ میں بھی بھیڑ میں گھس گیا۔ معلوم ہوا کہ لڑکوں کا امتحان لینے مفتی صدرالدین صاحب آئے ہیں۔ ہم نے کہا چلو ہم بھی دیکھیں۔ بر آمدے میں پہنچا تھہ چھوٹا تھا لوگوں کی ٹانگوں میں سے ہوتاہوا گھس گھسا کر کمرے کے دروازہ تک پہنچ ہی گیا۔ دیکھا کہ کمرے کے بیچ میں میز بچھی ہے اس کے

سامنے کرسی پر مفتی صاحب بیٹھے ھیں ایک ایک لڑکا آتا ھے اس سے سوال کرتے
ھیں اور سامنے کاغذ پر کچھہ لکھتے جاتے ھیں۔ میز کے دوسرے پہلو کی کرسی پر
ایک انگریز بیٹھا ھے۔ یہ مدرسے کے پرنسپل صاحب تھے۔ تماشے میں محو تھا کہ
صاحب کسی کام کے لئے اُٹھے۔ چپراسیوں نے رستہ صاف کرنا شروع کیا۔ جو لوگ
دروازہ روکے کھڑے تھے وہ پیچھے نہ ھٹتے تھے۔ چپراسی زور دستی دھکیل رھے تھے۔
غرض اس دھکا پیل میں میرا قلیہ ھوگیا۔ دروازے کے سامنے سنگ مرمر کا فرش
تھا۔ اس پر سے میرا پاؤں رپٹا اور میں دھم سے گرا۔ اتنے دیر میں پرنسپل صاحب
بھی دروازہ تک آگئے تھے۔ اُنھوں نے جو مجھے گرتے ھوے دیکھا تو دوڑکر میری طرف
بڑھے۔ مجھے اُٹھایا۔ پوچھتے رھے کہ کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔ ان کی شفقت آمیز
باتیں اب تک میرے دل پر کالنقش فی الحجر ھیں۔ باتوں باتوں ھی میں پوچھا
"میاں صاحب زادے کیا پڑھتے ھو"۔ میں نے کہا "معلقات"۔ ان کو بڑا تعجب ھوا۔
پھر پوچھا۔ میں نے پھر وھی جواب دیا۔ میری عمر پوچھی۔ میں نے کہا "مجھے کیا
معلوم"۔ وہ میرا ھاتھہ پکڑ بجائے اپنے کام کو جانے کے سیدھا مجھہ کو مفتی صاحب
کے پاس لے گئے اور کہنے لگے "مفتی صاحب یہ لڑکا کہتا ھے میں معلقات پڑھتا ھوں۔
ذرا دیکھئے تو سہی سچ کہتا ھے۔ یا یونہی باتیں بناتا ھے" مفتی صاحب نے کہا
"تو کیا پڑھتا ھے"۔ میں نے کہا "معلقات"۔ کہنے لگے "کہاں پڑھتا ھے"۔ میں نے کہا
"پنجابیوں کے کٹرے کی مسجد میں" پھر کہا۔ "معلقات دوں' پڑھیگا"۔ میں نے
کہا "لائیے"۔ اُنھوں نے میز پر سے کتاب اُٹھائی۔ میرے ھاتھہ میں دیدی۔ اور کہا
"یہاں سے پڑھ" جس شعر پر اُنھوں نے انگلی رکھی تھی۔ وہ یہی شعر تھا۔

ابا ھند فلا تعجل علینا و انظرنا نخبرک الیقینا

میں نے پڑھا معنی بیان کئے۔ اُنھوں نے ترکیب پوچھی وہ بیان کی۔ میاں
دانی تمھاری طرح میں نے شعر نہیں پڑھا تھا اور مرزا فرحت صاحب تمھاری
طرح ترکیب نہیں کی تھی (مولوی صاحب کا یہ اشارہ ھماری کمزوریوں کی طرف

تھا اس کا ذکر آئندہ آئے گا) مفتی صاحب بہت چکرائے۔ پوچھنے لگے "تجھ کو کون پڑھاتا ہے"۔ میں نے کہا۔ "مسجد کے مولوی صاحب" کہا "مدرسے میں پڑھیگا"۔ میں نے جواب دیا۔ "ضرور پڑھوں گا"۔ مفتی صاحب نے قلم اُٹھا کاغذ پر چند سطریں لکھیں اور پرنسپل صاحب کو دے کر کہا "اس کو پریسیڈنٹ صاحب کے پاس پیش کر دینا"۔ ہم وہاں سے نکل اپنے گھر آئے۔ مولوی صاحب سے کچھ نہ کہا۔ کوئی سات آٹھ روز کے بعد کالج کا چپراسی مولوی صاحب کے پاس ایک کاغذ دے گیا۔ اس میں لکھا تھا کہ نذیر احمد کو کالج میں داخل کرنے کی اجازت ہوگئی ہے۔ کل سے آپ اس کو کالج میں آنے کی ہدایت کردیجئے۔ اس کا وظیفہ ہوگیا ہے۔ چپراسی تو یہ حکم دے چلتا بنا۔ مولوی صاحب نے مجھ کو بلایا۔ خط دکھایا۔ پوچھا یہ کیا معاملہ ہے۔ میں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ جب ذرا سختی کی تو میں نے واقعہ بیان کیا۔ وہ بہت خوش ہوے اور دوسرے روز لے جا کر میرا ہاتھ پرنسپل صاحب کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس زمانے میں سید احمد خاں فارسی کی جماعت میں، منشی ذکاء اللہ حساب کی جماعت میں اور پیارے لال انگریزی کی جماعت میں پڑھتے تھے، میں عربی کی جماعت میں شریک ہوا۔ ایک تو شوق، دوسرے پڑھانے والے ہشیار، تیسرے ایک مضمون اور وہ بھی ایسا جس کا مجھے بچپن سے شوق تھا، تھوڑے ہی دنوں میں اپنی جماعت والوں میں سب کو دبا لیا۔ اب جب کبھی یہ شعر پڑھتا ہوں تو پہلا زمانہ یاد آجاتا ہے اور میں بے اختیار ہنسنے لگتا ہوں۔ یہ کہتے ہی انہوں نے لہک لہک کر یہ شعر

أبا هند فلا تعجل علينا ... و أنظرنا نخبرك اليقينا

پڑھنا اور ہنسنا شروع کیا —

میں نے کہا "مولوی صاحب آپ کی جماعت کہاں بیٹھتی تھی"۔ کہنے لگے۔ "پرنسپل صاحب کے کمرے کے بازو میں جو چھوٹا کمرہ ہے اس میں ہماری جماعت تھی۔ دوسرے پہلو میں جو کمرہ ہے اس میں فارسی کی جماعت" دانی نے کہا "مولوی صاحب آپ کے اختیاری مضمون کیا تھے"۔ مولوی صاحب ہنسے اور کہا۔

"میاں دانی! ہم پڑھتے تھے، آج کل کے طالب علموں کی طرح چوتڑوں سے گھانس نہیں کاٹتے تھے۔ (مولوی صاحب اس فقرہ کا اکثر استعمال کیا کرتے تھے۔ معلوم نہیں کہاں کا محاورہ ہے) ارے بھئی ایک ہی مضمون کی تکمیل کرنا دشوار ہے، آج کل پڑھاتے نہیں لادتے ہیں۔ آج پڑھا کل بھولے۔ تمھاری تعلیم ایسی دیوار ہے جس میں گارے کا بھی ردا ہے، ٹھیکریاں بھی گھسیڑ دی گئی ہیں، مٹی بھی ہے، پتھر بھی ہے، کہیں کہیں چونا اور اینٹ بھی ہے۔ ایک دھکا دیا اور آڑا ڑا دھم گری۔ ہم کو اُس زمانے میں ایک مضمون پڑھاتے تھے مگر اس میں کامل کردیتے تھے۔ پڑھانے والے بھی ایرے غیرے پچکلیان نہیں ہوتے تھے، ایسے ایسے کو چھانٹا جاتا تھا جن کے سامنے آج کل کے عالم محض کاٹھ کے اُلو ہیں۔ اچھا بھئی اچھا آگے چلو۔

بانا نورد الرایات بیضا و نصدر هن حمراً قد روینا

میں نے کہا مولوی صاحب پہلے شعر کے تو معنی رہ ہی گئے۔ کہنے لگے اتنا بڑا قصہ سنا دیا اس کے بعد بھی اس شعر کے معنوں کی ضرورت ہے۔ بس اس کے یہی معنی ہیں کہ تحقیق ایک ملا کا بیٹا ڈاکٹر ڈپٹی شمش‌العلماء ایل ایل ڈی ہو گیا، ساتھ آسانی کے، بیچ اسی دلی کے، بوجہ اس شعر کے —

مولوی صاحب کی تعلیم کا حال سن چکیے۔ اب ہماری تعلیم کا حال سنئیے اور قصہ کو سراج‌الدین صاحب کی دوکان کے واقعہ کے دوسرے روز سے لیجئیے —

میں اور میاں دانی ساڑھے گیارہ بجے مدرسہ سے آئے کھانا دانا کھا یا سبق کا مطالعہ کیا اور ایک بجے نکل کھڑے ہوئے۔ مکان کا پتہ پوچھتے پوچھاتے ڈیڑہ میں پانچ منٹ تھے کہ مولوی صاحب کے دروازے پر جا دھمکے۔ دروازے کی ایک چوکی پر میں اور دوسرے پر میاں دانی ڈٹ گئے۔ سامنے ہی کمرہ تھا بی چھاری رسی ہاتھ میں لئے اونگھ رہی تھیں۔ کبھی کبھی رسی کو ایک آدہ جھٹکہ دیدیتی تھیں۔ کمرہ کے اندر مولوی صاحب تھے۔ لیکن دروازہ بند تھا اس لئے دکھائی نہ دیتے تھے۔ اب یہ خیال ہوا کہ یہ مولوی صاحب ہی کا

مکان ہے یا کسی دوسرے کا ۔ اندر زنانہ تو نہیں ہے غرض اس شش و پنج میں تھے کہ مولوی صاحب کے کمرہ کے گھنٹے نے ٹن سے ڈیڑہ بجا یا ۔ ہم دونوں اُٹھے اور دبے پاؤں چوروں کی طرح اندر داخل ہوئے ۔ گھر میں سناٹا تھا ۔ بی چماری نے سر بھی اٹھا کر نہ دیکھا کہ کون جا رہا تھا ۔ کمرہ کا ایک دروازہ کھلا تھا اس میں گردن ڈال کر جھانکا ۔ چونکہ روشنی سے اندھیرے میں آئے تھے اس لئے کچھہ دکھائی نہیں دیا ۔ اندر سے کسی نے ڈانٹ کر کہا " کون ہے " ۔ اس آواز کو پہچان کر ہم تو سنبھل گئے ۔ مگر بی چماری اچھل پڑیں اور بےاختیار انکے منہ سے گنبد کی آواز کی طرح نکلا " کون ہے " میں نے کہا " میں اور دانی " ۔ مولوی صاحب نے کہا " آؤ ، بیٹا اندر آؤ " ۔ مولوی صاحب فوراً پلنگ پر اُٹھہ بیٹھے اور تہمد کو سنبھالتے ہوے نیچے اتر آئے پوچھا " کیا پڑھتے ہو " ۔ ہم نے کتاب پیش کی ۔ تھوڑی دیر تک اُلٹ پلٹ کر دیکھتے رہے ۔ اس کے بعد کہا " بھئی ایک کتاب میرے لئے بھی لیتے آنا " ۔ ہم نے بڑی ایک کتاب ان کو دیدی اور دوسری سے دونوں نے ملکر کام نکالا ۔ کب پڑھایا اور کس طرح پڑھایا ، اس کا میں آئندہ ذکر کروں گا ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب پڑہ کر اُٹھے تو سب کچھہ یاد تھا ، مگر دماغ پر کسی قسم کا بار نہ معلوم ہوتا تھا خوشی خوشی گھر آئے ۔ چلو اللہ دے اور بندہ لے —

ہم نے بھی کالج میں مولوی صاحب کی تعریفوں کے پل باندہ دئے ۔ یہاں تک کہ یہ آواز ہندو کالج کے طلباء کے کان تک پہنچی ۔ وہاں کے ایک طالبعلم مسٹر رضا کے دل میں گدگدی اُٹھی ۔ وہ آئے ۔ ہم سے ملے اور کہا " بھئی میں بھی تمہارے ساتھہ چلوں ۔ مولوی صاحب انکار تو نہ کریں گے " ۔ ہم نے کہا " چلو اور ضرور چلو ، مولوی صاحب کا کیا بگڑتا ہے ۔ دو کو نہ پڑھایا تین کو پڑھایا " ۔ انہوں نے کہا " نہیں پہلے مولوی صاحب سے پوچھہ لو " ۔ ہم نے کہا " یار چلو بھی ، اگر انہوں نے کچھہ کہا تو ہمارا ذمہ " ۔ وہ نہ راضی ہوے اور یہی کہا کہ پہلے پوچھہ لو ۔ اس عرصے میں ہماری ہمت مولوی صاحب کے سامنے بہت بڑہ گئی تھی ۔ دوسرے دن جاتے ہی رضا

کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا "لیتے کیوں نہ آئے"۔ ہم نے کہا "وہ ذرا شرمیلے ہیں، بغیر اجازت آنا نہیں چاہتے"۔ انھوں نے کہا "طالبعلم شرمیلا ہوا اور ڈوبا۔ خیر کل ضرور ساتھ لانا۔ ذرا ان کا بھی رنگ دیکھ لوں"۔ شام کو واپسی کے وقت جاتے جاتے فراش خانے میں ہم نے رضا کو مولوی صاحب کا اجازت نامہ پہنچا دیا اور کہہ دیا کہ بھئی پورے تیرہ بجے پہنچ جانا ورنہ اندر گھسنا نہ ملے گا۔ دوسرے دن جو ہم پہنچے تو وہ پہلے ہی سے دروازہ پر دھئی دئے بیٹھے تھے۔ ٹھیک تیرہ بجے ہم اندر داخل ہوے۔ مولوی صاحب ہم کو دیکھتے ہی پلنگ پر اُٹھ بیٹھے اور کہا "لاؤ کتاب"۔ ہم نے کتاب طاق پر سے اتار ان کے ہاتھ میں دی۔ اور وہ کتاب لیتے لیتے نیچے آبیٹھے۔ اور کہا "اچھا یہ ہیں میاں رضا"۔ بیچارے رضا نے گردن جھکا کر کہا "جی ہاں"۔ مولوی صاحب نے کہا "اچھا بھئی شروع کرو"۔۔۔۔

ہمارے پڑھنے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک روز میں پڑھتا تھا، دوسرے روز میاں دانی۔ اب اس کو ہماری شرارت کہو یا محض اتفاق، ہم دونوں چپکے بیٹھے رہے۔ جب اس خاموشی نے طول کھینچا تو مولوی صاحب نے کہا "ارے بھئی آج تم پڑھتے کیوں نہیں، کیا منہ میں گھنگنیاں بھر کر آئے ہو۔ اچھا میاں رضا تم ہی شروع کرو"۔ رضا نے صفحہ پوچھا اور پڑھنا شروع کیا۔ مگر اعراب کی غلطیاں سمجھ سے کم کیں تو نظم کو نثر، میاں دانی سے زیادہ بنا دیا۔ ایک آدھ شعر تک تو مولوی صاحب چپکے سنتے رہے۔ اس کے بعد کہنے لگے "واہ بھئی واہ ہم کو بھی عجب نمونے کے شاگرد ملے ہیں۔ میاں رضا اگر ہم تم کو ایک نیک صلاح دیں تو مانو گے"۔ رضا نے نہایت شرمیلی آواز میں گردن جھکا کر کہا "بسر و چشم"۔ مولوی صاحب نے کہا "دیکھو اپنے وعدے سے پھر نہ جانا"۔ انھوں نے کہا "جی نہیں"۔ مولوی صاحب نے کہا "اچھا تو میری یہ صلاح ہے کہ کل سے تم میرے ہاں نہ آنا"۔ یہ سن کر وہ بیچارے کچھ پژمردہ سے ہو گئے۔ مولوی صاحب نے کہا "بھئی رضا میں یہ نہیں کہتا کہ میرے ہاں آنا ہی چھوڑ دو، میں تم کو بھی ضرور پڑھاؤں گا

مگر تم دس پندرہ روز شام کے وقت کالی جان کے ہاں تعلیم میں ہو آیا کرو۔ اتنے دنوں کے آنے جانے میں تمہارے کانوں کو نظم اور نثر کا فرق معلوم ہونے لگے گا۔ بھئی سجھہ سے تو شعروں کے گلے پر چھری پھیرتے دیکھا نہیں جاتا۔ بچارے متنبی کو کیا خبر تھی کہ بتاشوں کی گلی میں نذیر احمد کے کمرے میں اس کے اشعار مولوی رضا صاحب اس طرح حلال کریں گے"۔ بچارے رضا کے سر پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ خدا خدا کر کے سبق ختم ہوا اور ہم سب رخصت ہوئے۔ راستے میں ہم نے ان کو بہت بنایا۔ دوسرے روز سے وہ ایسے غائب ہوئے کہ پھر شکل نہ دکھائی —

مسٹر رضا کی حیا کا حال تو سن چکے۔ اب ہماری بے حیائی کی داستان سنئیے۔ میری صرف و نحو بہت کمزور تھی اور کمزور کیوں نہوتی شروع کئے ہوئے کے دن ہوئے تھے، اعراب میں ہمیشہ غلطی کرتا تھا۔ نثر کو تو سنبھال لیتا تھا مگر نظم میں دقت پڑتی تھی۔ شعر خود بھی کہتا تھا، دوسروں کے ہزاروں اشعار یاد تھے اس لئیے شعر کو تقطیع سے گرنے نہ دیتا تھا۔ میاں دانی کی حالت اس کے بالکل برعکس تھی۔ وہ اعراب کی غلطی نہ کرتے تھے مگر شعر کو نثر کر دیتے تھے، سکتے تو کیا جھٹکے پڑ جاتے تھے۔ مولوی صاحب ہم دونوں کے پڑھنے سے بہت جزبز ہوتے تھے۔ ایک دن یہ ہوا کہ میرے پڑھنے کی باری تھی۔ میں نے ایک شعر پڑھا۔ معلوم نہیں کہ کہاں کے اعراب کہاں لگا گیا۔ مولوی صاحب نے کہا "ہیں کیا پڑھا"۔ میں سمجھا کہ اعراب میں کہیں غلطی ضرور ہوئی۔ تمام اعرابیں بدل کر شعر موزوں کر دیا۔ انھوں نے پھر بڑے زور سے "ہوں" کی، ہم نے پھر اعراب بدل دئیے۔ اس سے ان کو غصہ آگیا۔ کہا "دانی تم تو پڑھو"۔ انھوں نے شعر کا گلا ہی گھونٹ دیا۔ خاصے بھلے چنگے شعر کو نثر بنا دیا۔ اب کیا تھا مولوی صاحب کا پارہ ایک سو دس ڈگری پر چڑھ گیا۔ کتاب اٹھا کر جو پھینکی تو کمرہ سے گزر دالان میں ہوتی ہوئی صحن میں پہنچی، اور نہایت غصیلی آواز میں کہا "نکل جاؤ

ابھی میرے گھر سے نکل جاؤ - نہ تم مجھہ سے پڑھنے کے قابل ہو اور نہ میں تمہارے پڑھانے کے لایق" - دانی نے میری طرف دیکھا' میں نے دانی کی طرف دیکھا۔ انھوں نے آنکھوں ھی آنکھوں میں کہا' "چلو"- میں نے آنکھوں ھی آنکھوں میں جواب دیا "ھر گز نہیں"- انھوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا' میں نے ان کا زانو دبا دیا - مولوی صاحب کی یہ حالت تھی کہ شیر کی طرح بپھر رھے تھے- آخر جب دیکھا کہ یہ اونٹ سے تس سے مس نہیں ھوتے تو کہنے لگے کہ اب جاتے ھو یا نہیں - میں نے کہا "مولوی صاحب جب تک کوئی دھکے دیکر نہ نکالیگا اس وقت تک تو ھم جاتے نہیں اور جائینگے تو ابھی پھر آجائینگے" - مولوی صاحب نے جو یہ بے حیائی دیکھی تو ذرا نرم ھوے - کہنے لگے - "اچھا نہیں جاتے تو نہ جاؤ - مگر میں ایک حرف تم کو نہ پڑھاونگا"- میں نے کہا "نہ پڑھائیے' مگر بغیر پڑھے ھم یہاں سے ھلینگے نہیں" کہنے لگے "بیٹا اس وقت میری طبیعت خراب ھو گئی ھے - اب چلے جاؤ' کل آجانا"- دانی نے سچ جانا' میں سمجھا کہ اس وقت اٹھے اور مولوی صاحب ھاتھہ سے گئے - دانی اٹھہ کھڑے ھوے - میں نے پکڑ کر ان کو بٹھا لیا - مولوی صاحب یہ تماشہ دیکھتے رھے - میں نے کہا "مولوی صاحب پڑھینگے تو آج پڑھینگے اور آج پڑھینگے تو اس وقت پڑھینگے - پڑھانا ھے تو پڑھائیے ورنہ ھم یہاں سے نہ ٹلے ھیں نہ ٹلینگے" - آخرکار ھم جیتے اور مولوی صاحب ھارے- کہنے لگے "خدا محفوظ رکھے' تم جیسے شاگرد بھی کسی کے نہونگے - شاگرد کیا ھوے اوستاد کے اوستاد ھوگئے- اچھا بھئی میں ھارا' میں ھارا- میں ھارا' اچھا خدا کے لئے کتاب اٹھا لاؤ اور سبق پڑھکر میرا پنڈ چھوڑو' دیکھئے کونسا دن ھوتا ھےکہ میرا تم سے چھٹکارا ھوتا ھے"- میں جاکرصحن میں سے کتاب اٹھا لایا اور مولوی صاحب جیسے تھے ویسےکے ویسے ھوگئے - کہا کرتے تھے کہ اگر اس روز تم چلے جاتے تو میرے گھر میں گھسنا نصیب نہ ھوتا' میں تمہارے شوق کو آزماتا تھا مگر تم نے مجھہ ھی

آزما ڈالا۔ خدا ایسے شاگرد سب کو نصیب کرے۔ یہ بے حیائی نہیں میاں یہ شوق ھے۔
علم کا جس کو چسکا ہوتا ھے وہ بری بھلی سب ھی کچھ سنتا ھے :
بد شوق بھاگ نکلتے ھیں اور شوقین اوستاد کو دبا لیتے ھیں " —

پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ ہم میں سے کسی نے کتاب میں سے ایک
شعر پڑھا اور مولوی صاحب نے کتاب اُلٹ کر میز پر رکھدی۔ پہلے دانی کی
طرف متوجہ ہوے اور صرف و نحو کے نکات پر بحث شروع ہوئی۔ اس بحث
میں مجھے بارہ پتھر باہر سمجھہ لیا جاتا تھا کبھی میں نے دخل بھی دیا
تو مولوی صاحب نے فرمایا۔ آپ مہربانی کرکے اس بارے میں اپنے دماغ پر
زور ڈالنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائیے "۔ اس کے بعد معنی بیان کئے، نکات
بتائے اور پھر اسی مضمون کے شعر اور مقولوں کا سلسلہ چھڑا۔ اب میاں
دانی خارج از بحث ہوگئے۔ اول تو مجھے یونہی ہزاروں شعر یاد تھے۔
دوسرے خاص طور پر تیار ہو کر جاتا تھا۔ مولوی صاحب اگر ایک شعر
پڑھتے تو میں دو پڑھنے کو تیار ہوجاتا۔ غرض جب فریقین اپنا ہندوستانی
گولہ باروت ختم کر چکتے تو یورپ اور انگلستان کے شعرا اور فلسفیوں کے
مقولوں کا نمبر آتا۔ اس میں دانی بھی شریک ہوجاتے۔ اگر کوئی قصہ طلب
شعر ہوا اور اسی قسم کا کوئی ماجرا مولوی صاحب پر گزرا تھا تو اس قصے
کے ساتھہ اپنا قصہ بھی ضرور بیان کر دیتے۔ غرض ایک شعر کی تصریح
میں آدہ آدہ گھنٹہ گذر جاتا۔ مگر اس کے بعد جو وہ شعر ذہن نشین ہوتا
تو اس کا محو ہونا مشکل تھا۔ چنانچہ اب تک مجھے اکثر شعر یاد ھیں۔
اگر کوئی رزمیہ قصیدہ ہوا تو اس سلسلے میں اکثر غدر کے حالات بیان
کرتے اور جو کچھہ شرفائے دہلی پر اس طوفان بے تمیزی میں گزری تھی
اس کی داستان نہایت دردناک الفاظ میں سناتے۔ اکثر کہا کرتے تھے " میاں
بچارا بہادر شاہ مجبور تھا۔ کسی اور پر بھی اگر یہی مصیبت نازل ہوتی

تو وہ بھی اسی طرح ان بد معاش تلنگوں کے ہاتھ میں ناچتا - یہ لوگ کوئی بادشاہ کو فائدہ پہنچانے تھوڑی آئے تھے ان کی غرض تو شہر لوٹنا تھی، وہ پوری ہوئی اور انھوں نے دھلی کو پھک کر دیا - ایک روز میں دریبہ میں سے جارہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک فوج کی فوج تلنگوں کی آرہی ہے۔ میں بھی دبک کر گلاب گندھی کی دوکان کے سامنے کھڑا ہوگیا - آگے آگے بینڈ والے تھے، مگر وہ ایسا اندھا دھند ڈھول ٹھونک رہے تھے کہ خدا کی پناہ - پیچھے کوئی پچاس ساٹھ سوار تھے مگر ان کی عجیب کیفیت تھی، گھوڑے کیا تھے دھوبی کے گدھے معلوم ہوتے تھے - بیچ میں سوار تھے مگر گٹھریوں کی کثرت سے جسم کا کچھ تھوڑا ہی سا حصہ دکھائی دیتا تھا یہ گٹھریاں کیا تھیں - دھلی کی لوٹ، جس بھلے آدمی کو کھاتا پیتا دیکھا اس کے کپڑے تک اتروائے، جس روپئے پیسے والے کو دیکھا اس کے گھر پر جا کر دھمکی دیدی اور کہا چل ہمارے ساتھ قلعہ کو تو انگریزوں سے ملا ہوا ہے؛ جب تک کچھ رکھوا نہ لیا اس کا پنڈ نہ چھوڑا - اگر دھلی کے چاروں طرف انگریزی فوج کا محاصرہ نہ ہوتا تو شریف لوگ کبھی کے دھلی سے نکل گئے ہوتے - غرض خدائی فوجداروں کا یہ لشکر غل مچاتا، دین دین کے نعرے مارتا میرے سامنے سے گزرا۔ اس جم غفیر کے بیچوں بیچ دولھا میاں تھے - یہ کون تھے عالیجناب بہادر خاں صاحب سپہ سالار - لباس سے بجائے سپہ سالار کے دولہ معلوم ہوتے تھے۔ جڑاو زیور میں لدے ہوئے تھے - پہنتے وقت شاید یہ بھی معلوم کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی گئی تھی کہ کونسا مردانہ زیور ہے اور کونسا زنانہ۔ صافے پر بجائے طرے کے سراسری لگائی تھی - جیسے خود زیور سے آراستہ تھے اسی طرح ان کا گھوڑا بھی زیور میں لدا ہوا تھا - ساش کے آٹے کی طرح اینٹھے جاتے تھے - معلوم ہوتا تھا کہ نعوذباللہ خدا کی خدائی اب ان کے ہی ہاتھ آگئی ہے - گلاب گندھی نے جو ان لٹیروں کو آتے دیکھا چپکے سے دوکان بند کر دی

اور اندر دروازوں سے بیٹھا جھانکتا رہا۔ خدا معلوم کیا اتفاق ہوا کہ بہادر خاں کا گھوڑا ہیں اس کی دوکان کے سامنے آکر رکا۔ بہادر خاں نے اِدھر اُدھر گردن پھیری، پوچھا "یہ کس کی دکان ہے"۔ ان کے ایڈیکانگ نے عرض کی کہ گلاب گندھی کی۔ فرمایا "اس بد معاش کو خبر نہیں تھی کہ ما بدولت ادھر سے گزر رہے ہیں۔ دوکان بند کرنے کے کیا معنی۔ ابھی کھلواؤ"۔ خبر نہیں کہ اس حکم قضا شیم کا بچارے لالہ جی پر اندر کیا اثر ہوا۔ ہم نے تو یہ دیکھا کہ ایک سپاہی نے تلوار کا دستہ کواڑ پر مار کر کہا کہ دروازہ کھولو اور جسطرح 'سم سم کھل جا' کے الفاظ سے علی بابا کے قصہ میں چوروں کے خزانے کا دروازہ کھلتا تھا اسی طرح اس حکم محکم سے گلاب گندھی کی دوکان کھل گئی۔ بجنسہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تماشہ کا پردہ اُٹھ گیا۔ دروازہ کے بیچوں بیچ لالہ جی کانپتے ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔ کچھ بولنا چاہتے تھے مگر زبان یاری نہ دیتی تھی۔ اس وقت بہادر خاں کچھ خوش خوش تھے، شاید کسی موٹی آسامی کو مار کر آئے تھے، کہنے لگے "تمہاری ہی دوکان سے بادشاہ کے ہاں عطر جاتا ہے"۔ لالہ جی نے بڑی زور سے گردن کو ٹوٹی ہوئی گڑیا کی طرح جھٹکا دیا۔ حکم ہوا کہ جو عطر بہتر سے بہتر ہو وہ حاضر کرو۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے اندر گئے۔ اور دو کنٹر عطر سے بھرے ہوئے حاضر کئے۔ معلوم نہیں بیس روپئے تولہ کا عطر تھا یا تیس روپئے تولہ کا۔ بہادر خاں نے دونوں کنٹر لئے کاگ نکالنے کی تکلیف کون گوارا کرتا۔ ایک کی گردن دوسرے سے ٹکرا دی، دونوں گردنیں کھٹ سے ٹوٹ گئیں۔ عطر سونگھا، کچھ پسند آیا، ایک کنٹر گھوڑے کی ایال پر اُلٹ دیا اور دوسرا دم پر۔ کنٹر پھینک حکم دیا گیا، "فارورڈ"۔ اور اس طرح بچارے گلاب گندھی کا سینکڑوں روپئے کا نقصان کرکے یہ ہندوستان کو آزادی دلانے والے چل دیے۔ ادھر اس خدائی فوجدار کا جانا، ادھر ہم لونڈوں کا تالیاں بجانا، بچارے لالہ جی نے کھسیانے ہوکر دوکان بند کردی۔ بھئی غدر کے طوفان بے تمیزی میں نقصان تو جو ہونا تھا وہ ہوا مگر کالج کی دور بین توڑ کر جو نقصان اس بے سری

فوج نے ملک کو پہنچایا اس کی تلافی ناممکن ہے۔ کالج میں پرنسپل صاحب کے کمرے کے اوپر ایک بڑی زبر دست دوربین نصب تھی۔ پرنسپل صاحب کہا کرتے تھے کہ یہ دور بین کالج نے ایک بڑے دلدادہ انگریز نے کالج کے نذر کی تھی۔ اس کا سامنے کا شیشہ بڑی دقت سے تیار ہوا تھا۔ اس انگریز کے خاندان والوں نے برسوں میں اسے گھس کر پتلا اور اتنا پتلا کیا تھا کہ کاغذ سے بھی باریک ہوگیا تھا۔ غرض کہ یہ دوربین کالج کا سرمایۂ ناز تھی۔ دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوٹھے پر ایک بڑی توپ لگی ہوئی ہے۔ غدر کے زمانہ میں کسی بد معاش کی اس پر بھی نظر پڑگئی۔ اس نے جاکر فوج میں اُڑا دیا کہ انگریزوں نے راتوں رات کشمیری دروازہ سے آکر کالج کے اوپر توپ لگادی ہے۔ اور اب تھوڑی دیر میں قلعہ اُڑا دیں گے۔ یہ سننا تھا کہ فوج کالج پر چڑھ آئی، سیڑھیاں لگا سینکڑوں سپاہی چھت پر پہنچ گئے۔ ایک کندۂ ناتراش نے بندوق کا کندہ سامنے کے شیشہ پر مارا۔ چھن سے شیشہ کے ٹکڑے ہوگئے۔ اور ایک خاندان کی پچاس ساٹھ برس کی محنت خاک میں مل گئی۔ ان نابکاروں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا؛ دور بین کی دور بین اٹھا نیچے پھینک دی اور چند ہی منٹ کے اندر دین دین کے نعروں میں اس یادگار سلف کا ان ناخلفوں کے ہاتھوں خاتمہ بالخیر ہوگیا'' —

غدر کے ہزاروں واقعات مولوی صاحب سے سنے ہیں۔ لیکن اکثر تو ایسے ہیں کہ ان کا زمانۂ موجودہ میں دھرانا خطر ناک ہے اور بعض ایسے ہیں کہ وہ پوری طرح یاد نہیں رہے۔ ہم بی۔ اے میں پڑھتے تھے کہ کیمبرج سے غدر کے متعلق ایک جواب مضمون پر انعام مقرر ہوا۔ اس مضمون کے لئے شرط یہ قایم کی گئی تھی کہ کوئی واقعہ تاریخی کتاب سے نہ لیا جائے، جو کچھ لکھا جائے شہر کے بڈھے بڑھیوں سے دریافت کرکے لکھا جائے۔ میں نے یہی مضمون لکھا تھا اور مجھ ہی کو یہ انعام ملا۔ اس مضمون میں میں نے ایک باب مولوی صاحب کے بیان کردہ قصوں کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ میں گریجویٹ ہو کر مولوی صاحب سے اس مضمون کے لئے واقعات

دریافت کیا کرتا اور وہ خوشی خوشی بتاتے۔ اب وہ مضمون دریا برد نہیں تو دریا پار ضرور ہوگیا۔ مسودہ نہ رکھا اور نہ رکھنے کی عادت ہے، اس لئے اب اس کا ذکر کرنا ہی فضول ہے —

ہمارے پڑھنے کا طریقہ تو سن چکے، اب مولویوں کی جماعت کا حال سن لیجئے۔ اس جماعت میں تمام کے تمام سرحد پار ہی کے لوگ تھے۔ لمبے لمبے کرتے، بڑی بڑی آستینیں، ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو تھان کی شلواریں، شملہ بہ مقدار علم کے لحاظ سے ٹکی ٹکی سیر کا پاؤ لمبی لمبی داڑھیاں، غرض معلوم ہوتا تھا کہ افغانستان کا کوئی قطعہ اُٹھاکر پٹھانوں کی گلی میں رکھ دیا گیا ہے۔ محنت کی یہ حالت کہ رات رات بھر کتاب دیکھنی، تھوتھو ایسے کہ باوجود اس محنت کے کورے کے کورے رہتے۔ مولوی صاحب ہم سے ہمیشہ ان کی موٹی عقل کی تعریف کیا کرتے اور کہتے: "بھئی میں ان ملاؤں سے عاجز آگیا ہوں: اپنا بھی وقت ضائع کرتے ہیں اور میرا بھی۔ جواب اس لئے نہیں دے دیتا کہ دلشکنی ہوگی۔ مگر کیا کروں اللہ میاں نے ان لڑکوں کو ادب سمجھنے کا دماغ ہی نہیں دیا ہے۔ ہزار سمجھاتا ہوں ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ بھلا ان کو حماسہ یا متنبی پڑھنے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔ فوج میں نوکر ہوجائیں، محنت مزدوری کریں یا ہینگ کا توبڑا گلے میں ڈال کر بیچتے پھریں"۔ ہم کہتے "مولوی صاحب آپ بھی غضب کرتے ہیں رگڑ سے پتھر بھی گھس جاتا ہے، آخر متنبی نے ایسے کون سے شعر کہے ہیں جو غور کرنے سے سمجھ میں نہ آئیں"۔ ایک روز فرمانے لگے۔ "لو آج تم ٹھہر جاؤ اور ان مولویوں کا رنگ بھی دیکھ لو۔ مگر دیکھو کہیں ہنس نہ دینا، ورنہ چھرا ہی بھونک دیں گے"۔ اس روز ہم کو بھی چھٹی تھی۔ ہم پڑھ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ یہ جماعت آگئی۔ یہ لوگ مولوی صاحب کو گھیر کر بیٹھ گئے۔ اور ہم اُٹھ کر ایک کونے میں جا بیٹھے۔ اس روز مقامات حریری کا سبق تھا۔ کتابیں کھولی گئیں۔ اور ایک صاحب نے بڑی گرجتی ہوئی آواز میں اعوذ باللہ سے سبق شروع کیا۔ زید بن حارث کے سفر کا حال تھا اور رات

کے وقت سفر کرنے کو "فی اناء اللیل" سے ادا کیا تھا۔ ان بھلے آدمیوں نے رات کو قاموس دیکھ کر مطالعہ کیا تھا' اس میں شامت اعمال سے "اناء" کے معنی "مٹکے" کے بھی ھیں۔ الله دے اور بندہ لے۔ اُنھوں نے یہاں مٹکا پھنسا دیا اور نہایت متانت سے "فی اناءاللیل" کے معنی "رات کے مٹکے میں سفر کیا" سے کردیے۔ مولوی صاحب نے فرمایا "اناء کے دوسرے معنی بھی تو ھیں"۔ پڑھنے والے صاحب نے کہا "جی ھاں کئی معنی ھیں۔ لیکن اس مقام پر مٹکا ھی زیادہ چسپاں ھوتا ھے"۔ ھم کو ھنسی آئی۔ مولوی صاحب نے مسکراکر اور اُن لوگوں نے نہایت بڑے بڑے دیدوں سے ھماری طرف دیکھا۔ ھم نے سوچا بھائی یہاں ھمارا ٹھکانا نہیں۔ یہاں سے کھسک ھی جانا مناسب ھے۔ کہیں کوئی اٹھکر گلا نہ گھونٹ دے۔ ھم نے اجازت چاھی۔ مولوی صاحب کہتے ھی رھے "بیٹھو۔ ذرا اور کچھہ سن جاو"۔ ھم نے کہا "مولوی صاحب ھمکو کام ھے کسی اور دن دیکھا جائیگا"۔ یہ کہہ جو تیاں پہن سرپر پاوں رکھکر بھاگے۔ کوٹھے سے اُتر جو ھنسنا شروع کیا تو گھر پہنچتے پہنچتے بڑی مشکل سے ھنسی رکی۔ اب جب کبھی خیال آتا ھے تو اس جماعت کا نقشہ آنکھوں کے نیچے پھر جاتا ھے۔ اور رات کے مٹکے میں سفر کرنیکا فقرہ ھنساتا نہیں تو مسکراھٹ ضرور پیدا کردیتا ھے —

مولوی صاحب کو اپنے ترجمہ پر ناز تھا اور اکثر اسکا ذکر فخریہ لہجہ میں کیا کرتے تھے۔ اردو ادب میں انکی جن تصنیفات نے دھوم مچادی ھے وہ انکے نزدیک بہت معمولی چیزیں تھیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ "میری تمام عمر کا اصلی سر مایہ کلام مجید کا ترجمہ ھے۔ اسمیں مجھے جتنی محنت اٹھانی پڑی ھے اسکا اندازہ کچھہ میں ھی کرسکتا ھوں۔ ایک ایک لفظ کے ترجمہ میں میرا سارا سارا دن صرف ھوگیا ھے۔ میاں سچ کہنا کیسا محاورہ کی جگہ محاورہ بٹھایا ھے"۔ ھم نے کہا "مولوی صاحب بٹھایا نہیں ٹھونسا ھے" جہاں یہ فقرہ کہا

اور مولوی صاحب اچھل پڑے۔ بڑے خفا ہوتے اور کہتے "دلی کے اونٹو! میرے محاوروں کو غلط بتاتے ہو۔ میاں میری اردو کا سکہ تمام ہندوستان پر بیٹھا ہوا ہے۔ دود لکھو گے تو چیں بول جاؤ گے"۔ محاوروں کی بھر مار کے متعلق اکثر مجھ سے ان کا جھگڑا ہوا کرتا تھا۔ میں ہمیشہ کہا کرتا تھا "مولوی صاحب آپ نے محاوروں کی کوئی فہرست تیار کرلی ہے اور کسی نہ کسی محاورہ کو آپ کسی نہ کسی جگہ پھنسا دینا چاہتے ہیں۔ خواہ اسکی گنجایش وہاں ہو یا نہو۔ جناب والا اہل زبان کو یہ دکھانے کی ضرورت نہیں کہ وہ محاوروں پر حاوی ہے یہ صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہم باہر والے نہیں دہلی والے ہیں۔ تھوڑی دیر تو حجت کرتے رہے اس کے بعد کہتے "اچھا بھئی تم ہی دہلی والے سہی۔ ہم تو اسی طرح لکھیں گے جس طرح اب تک لکھا ہے: تم ہم کو دہلی والوں کی فہرست سے نکال دو مگر میاں اپنا ہی نقصان کرو گے"—

مجھکو مولوی صاحب کی طرز تحریر پر کوئی رائے ظاہر کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو میرے لئے ابتدا ہی میں "خطاے بزرگان گرفتن خطا است" کی سب سے بڑی ٹھوکر ہے۔ دوسرے میری قابلیت محدود کی سرحد سے گزر کر مفقود کی سرحد میں آگئی ہے۔ لیکن با وجود ان موانعات کے میں نے مولوی صاحب کے سامنے یہی کہا۔ اب بھی کہتا ہوں اور ہمیشہ کہونگا کہ محاوروں کے استعمال کا شوق مولوی صاحب کو حد سے زیادہ تھا۔ تحریر میں ہو یا تقریر میں وہ محاوروں کی ٹھونسم ٹھانس سے عبارت کو بے لطف کر دیتے تھے۔ اور بعض وقت ایسے محاورے استعمال کر جاتے تھے جو بے موقع ہی نہیں اکثر غلط ہوتے تھے۔ خدا معلوم انھوں نے محاوروں کی کوئی فرہنگ تیار کر رکھی تھی یا کیا۔ ایسے ایسے محاورے ان کی زبان اور قلم سے نکل جاتے تھے۔ جو نہ کبھی دیکھے نہ سنے۔ ان کی عبارت کی روانی اور بے ساختگی کا جواب دوسری جگہ ملنا مشکل ہے' مگر چلتے چلتے راستہ میں عربی الفاظ کے روڑے ہی نہیں بچھاتے تھے بلکہ پہاڑ

رکھہ دیتے تھے - غرض یہ تھی کہ اوگ یہ جان لیں کہ میں دھلی والا ھی نہیں ھوں' مولوی بھی ھوں- بھر حال ان کی تحریر کا ایک خاص رنگ ھے اور اس کی نقل أتارنا مشکل اور بہت مشکل ھے- ترجمہ کرنے کا انھیں خاص ملکہ تھا- وجہ یہ تھی کہ کئی زبانوں پر حاوی تھے- اگر ایک زبان کے لفظ سے مطلب ادا نہ ھوا تو دوسری زبان کا لفظ وھاں رکھہ دیا- مثال کے طور پر میں ایک واقعہ بیان کرتا ھوں- سنہ ۱۹۰۳ء کے دربار تاج پوشی پر جو انگریزی کتاب لکھی گئی تھی اس کا ترجمہ مولوی صاحب کے سپرد ھوا- ایک روز جو ھم پہنچے تو کیا دیکھتے ھیں کہ خوبصورت سی جلد کی ایک بڑی موٹی کتاب مولوی صاحب کی میز پر رکھی ھے- ھم نے اجازت لیکر کتاب اٹھائی اور اول سے آخر تک ساری تصویریں دیکھہ ڈالیں- اول تو مولوی صاحب بیٹھے دیکھتے رھے' پھر کہنے لگے "بیٹا یوں سرسری نظر سے کیا دیکھتے ھو' گھر لیجاؤ' اچھی طرح پڑھو' مگر دیکھو خراب نہ کرنا"- ھم دونوں نے دل میں سوچا کہ خدا معلوم یہ کیا بھید ھے جو مولوی صاحب بغیر مانگے اپنی کتاب دے رھے ھیں- خوش خوش کتاب بغل میں مار گھر آئے- دو ایک روز میں پڑھ ڈالا- ایک آدھ تصویر بھی غائب کر دی- چوتھے روز کتاب لیجا مولوی صاحب کے حوالہ کی- پوچھا "کہو پسند آئی"- ھم نے کہا "مولوی صاحب خوب کتاب ھے"- کہنے لگے "اچھی کتاب ھے تو ترجمہ کر ڈالو"- ھم نے کورا جواب دیدیا- کہا "دیکھو' سنو' اس کتاب کا مجھے ترجمہ کرنا ھے' تم سے ترجمہ کراؤنگا' صحیح میں کر دونگا- اب مجھہ میں اتنا دم نہیں کہ اتنی بڑی کتاب کا ترجمہ کر سکوں- اگر اب کے انکار کیا تو کل سے گھر میں گھسنے نہ دونگا"- یہ کہتے کہتے کتاب کی جلد توڑ دس صفحے میرے اور دس میاں دانی کے حوالہ کر دئے- ساتھہ ھی میاں رحیم بخش کو آواز دی وہ آئے ان کو حکم دیا کہ ایک ایک دستہ بادامی کاغذ کا ان دونوں کو دیدو- قہر درویش بر جان درویش کی صورت تھی- جس طرح پہلے خوشی خوشی پوری کتاب لے گئے تھے اسی طرح منہ بنائے ھوے ان پلندوں کو بغل میں مارا- گھر آکر

بیکار نے کام کی طرح ترجمہ کیا - دوسرے روز جا کر پڑھنے کے لئے کتاب اٹھائی - پوچھا "ترجمہ لائے"۔ ہم نے دبی ہوئی آواز میں کہا "لائے"۔ کہا "پہلے وہ پڑھو"۔ ہم پڑھتے جاتے اور مولوی صاحب اصل کتاب دیکھکر اس کی درستی کرتے جاتے - اب کر میں یا میاں دانی کہیں کہ یہ ترجمہ ہمارا ہے تو یقین مانئیے کہ دونوں جھوٹے ہیں - مولوی صاحب کی اصلاح نے ہماری آنکھیں کھول دیں اور ہم نے سمجھہ لیا کہ اس کام میں بھی مولوی صاحب سے بہت کچھہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد سے ہمیں ترجمہ کا شوق ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں میں کتاب ختم ہو گئی - اس کے چھپنے کے بعد ہماری مولوی صاحب سے بڑی جنگ ہوئی - کیونکہ بندہ خدا نے ہم دونوں غریبوں کا اس میں ذرا بھی ذکر نہیں کیا - مگر کچھہ پرواہ نہیں - اس کا بدلہ ہم اب لے لیتے ہیں - اور ڈنکے کی چوٹ کہے دیتے ہیں کہ اس کتاب میں تھوڑے بہت لفظ ہم دونوں کے بھی ہیں - یہ ضرور ہے کہ اگر اصلاح شدہ مسودوں کو دیکھا جائے تو کاٹ چھانٹ کی وجہ سے ہمارے لفظوں کا تلاش کرنا سر میں، لیکھیں دیکھنے سے کم مشکل نہ ہوگا - ہاں، تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مولوی صاحب چونکہ کئی زبانوں پر حاوی تھے اس لئے ان کو کہیں نہ کہیں سے مناسب لفظ اداے مطلب کے لئے ضرور مل جاتا تھا - مثلاً اسی جشن تاج پوشی کی کتاب میں ایک جگہ لفظ Stallion آیا - ڈکشنری میں جو دیکھا تو اس کے معنی "سیاہ بڑا جنگی گھوڑا" نکلے - یاروں نے ترجمہ میں وہی الفاظ ٹھونک دئیے۔ جب مولوی صاحب نے یہ الفاظ سنے تو بہت ہنسے - کہنے لگے "واہ بیٹا، واہ، کیوں نہو دھلی والے ہو، خالص اردو لکھی ہے - بندۂ خدا "شبدیز" لکھہ دو - چلو چھٹی ہوئی"- اب کوئی صاحب اس سے بہتر لفظ بتا دیں تو میں جانوں - ان کے ترجمہ میں خوبی یہ ہوتی تھی کہ لفظ کی جگہ لفظ بٹھاتے تھے، لیکن وہ لفظ ایسا ہوتا تھا کہ وہاں نگینہ بن جاتا تھا - تعزیرات ہند کا ترجمہ اٹھا کر دیکھو وہی لفظ پر لفظ ہے؛ معنی بھی پورے دیتا ہے اور اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا - سیکڑوں

کتابوں کے ترجمے ہوئے؛ دوسری اشاعت میں کچھہ اور تیسری میں کچھہ کے کچھہ ہوگئے' لیکن تعزیرات ہند کا ترجمہ جوں کا توں ہے - ایک لفظ اِدھر سے اُدھر نہیں ہوا - کہا کرتے تھے کہ " تعزیرات ہند کا ترجمہ بھی میرا ایک کارنامہ ہے - اس کتاب کے ترجمے کا کام تین آدمیوں کے سپرد ہوا تھا ان میں ایک مولوی عظمت اللہ صاحب تھے - اس کی اصلاح ڈائرکٹر صاحب کے ذمہ تھی اور ہم ڈائرکٹر صاحب کے سررشتہ‌دار تھے - روزانہ ایک دو دفعات کا ترجمہ آتا - ہم ڈائرکٹر صاحب کو سناتے - وہ بڑا غل مچاتے کہ یہ لفظ خلاف محاورہ ہے اس لفظ سے مفہوم ادا نہیں ہوتا ' یہ لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا گیا ہے - غرض دو تین دفعات کہیں تین چار گھنٹے میں پاس ہوئیں - مجھے بڑا تاؤ آتا تھا کہ ترجمہ کرے کوئی ' یہ باتیں سنے کوئی - مگر بھئی یہ ضرور کہونگا کہ وہ بھلا آدمی جو بات کہتا تھا باون تولے پاؤ رتی کی کہتا تھا ؛ جو اعتراض کرتا تھا وہ اُٹھائے نہ اُٹھتا تھا - میاں پرانے زمانے کے انگریز غضب کی اردو سمجھتے تھے - گو اچھی اردو لکھہ نہ سکیں ' مگر ترجمہ کی وہ وہ غلطیاں نکالتے تھے کہ تم جیسے دھای والوں کے کان پکڑوادیں - میں بھی ترجمہ دیکھتا تو واقعی کچھہ کھڑا اکھڑا معلوم ہوتا - میں نے دل میں کہا کہ نذیر احمد تو بھی خم ٹھونک کر میدان میں کیوں نہیں آجاتا - اردو جانتا ہے ' فارسی جانتا ہے ' عربی جانتا ہے ' کچھہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بھی سمجھتا ہے ' ان لوگوں سے اچھا نہیں تو کم سے کم ایسا ترجمہ تو بھی کرلیگا - یہ سوچ سوا روپیہ کی رائل ڈکشنری بزار سے خرید لایا - رات کو لمپ جلا ' کپڑے اُتار ' لنگوٹ باندہ ' ترجمہ پر پل پڑا - جن دفعات کا ترجمہ دوسرے روز پیش ہونے والا تھا ' ان کا خود ترجمہ کر ڈالا - دوسرے دن ترجمہ جیب میں ڈال دفتر پہنچا - ڈائرکٹر صاحب آئے مجھے بلایا اور ان لوگوں کے ترجمے کو سن کر وہی گڑبڑ شروع کی - خدا خدا کر کے یہ مشکل آسان ہوئی -

میں نے کہا کہ کمترین بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہے - کہا ' اچھا کہو - میں نے
جیب میں سے کاغذ نکالا ' وہ سمجھے عرضی ہے - لینے کو ہاتھ بڑھایا میں نے
کہا عرضی نہیں آج کی دفعات کا ترجمہ میں نے کیا ہے - ڈائرکٹر صاحب
یہ سن کر اچھل پڑے - کہنے لگے : تم نے تم نے ترجمہ کیا ہے تم کو تو انگریزی نہیں
آتی - پھر ترجمہ کیسے کیا - میں نے کہا رائل ڈکشنری سے - انہوں نے ہنسکر
کہا تعزیرات ہند کا ترجمہ رائل ڈکشنری سے نہیں ہوا کرتا - میں نے کہا ' سن
تو لیجئے - کہا ' اچھا سناؤ - میں نے جو پڑھا تو صاحب بہادر کی آنکھیں
پھٹی کی پھٹی رہ گئیں - کہنے لگے یہ ترجمہ تم نے رائل ڈکشنری سے کیا
ہے ! میں نے کہا - ہاں - کہنے لگے کل شروع کی چار دفعات کا ترجمہ کرکے لاؤ -
میں دوسرے دن لیکر گیا ' بہت پسند کیا اور کہا تم نے پہلے ہی کیوں نہ
کہا کہ میں ترجمہ کرسکتا ہوں جو میرا اتنا وقت ضائع کرایا - جاؤ تم بھی
ان ترجمہ کرنے والوں میں شریک ہوجاؤ - اس دن سے ہم بھی پانچوں سواروں
میں مل گئے اور یہی ہماری ترقی کا زینہ تھا - اب رہے ہماری تصنیفات
پر انعام ' وہ تو اللہ میاں نے چھپر پھاڑ کر دئے ہیں - اگر کوئی کہتا بھی
کہ مرآۃ العروس پر تم کو انعام ملیگا تو میں اس کو دیوانہ سمجھتا - اصل
یہ ہے کہ یہ کتاب میں نے اپنی لڑکی کے لئے لکھی تھی ' وہی پڑھا کرتی
تھی میاں بشیر کو " چند پند " لکھدی تھی - میں اس زمانے میں تعلیمات کا انسپکٹر
تھا ' دورے پر نکلے تھے ' بال بچے ساتھ تھے ' ایک جگہ ٹھیرے تھے کہ مسٹر
کیمپ سن ڈائرکٹر تعلیمات کا ڈیرہ بھی قریب میں آلگا - شام کا وقت تھا -
میاں بشیر اپنی ٹٹوانی پر سوار ہوکر ہوا خوری کو نکلے - ادھر سے
ڈائرکٹر صاحب آرہے تھے - میاں بشیر نے جھک کر سلام کیا - صاحب ٹھیر گئے -
پوچھا " میاں تمہارا کیا نام ہے " - انہوں نے نام بتایا - پھر پوچھا " تمہارے
والد کون ہے " - انہوں نے میرا نام بتایا - پھر پوچھا " کہو میاں کیا پڑھتے ہو '

انہوں نے کہا " چند پند "۔ ڈائرکٹر صاحب سمجھے تھے کہ اردو کی پہلی یا دوسری کہیگا ۔ چند پند کا نام سنکر پریشان ہوئے ۔ کیونکہ اس عجیب و غریب نام سے ان کے کان ناآشنا تھے ۔ کہا" ہمیں اپنی کتاب دکھاؤگے " ۔ بشیر نے کہا " جی ہاں ابھی لاتا ہوں ۔ ہمارے آپا کی بھی کتاب دیکھیئےگا " ۔ اُنہوں نے کہا " اُس کتاب کا کیا نام ہے ؟ " ۔ اِنہوں نے کہا " مرأۃالعروس " ۔ یہ دوسرا نیا نام تھا ۔ صاحب نے کہا " ہاں وہ بھی لاؤ " ۔ میاں بشیر تتوانی سے کود بھاگتے ہوے ڈیرے میں آئے ۔ اپنا جزدان کھول" چند پند " نکالی ۔ اس کے بعد اپنی بہن کے جزدان پر قبضہ کیا ۔ اس نے جو دیکھا کہ بشیر جزدان ٹٹول رہا ہے تو دوڑتی ہوئی گئی۔ اتنے میں بشیر مرأۃالعروس لے کر بھا گا ' یہ اس کے پیچھے بھاگی ' دونوں میں بڑی دھینگا مشتی ہوئی ۔ خوب رونا پیٹنا ہوا ۔ بشیر بہن کو دھکا دے کتاب لے یہ جا وہ جا ۔ بہن صاحبہ نے دل کا بخار آنسو بہاکر نکالا ۔ میاں بشیر نے دونوں کتابیں لے جا ' صاحب کے حوالہ کیں۔ انہوں نے الٹ پلٹ کر کچھہ پڑھا اور بشیر سے کہا " ہم یہ کتابیں لیجائیں ' کل بھجوا دینگے "۔ انہوں نے کہا " لیجائیے ' کل ہم کو چھٹی رہیگی " ۔ میں جو ڈیرے میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت مچ رہی ہے ۔ لڑکی نے رو رو کر آنکھیں لال کرلی ہیں میاں بشیر ڈرے سہمے ڈیرے کے ایک کونے میں دبکے بیٹھے ہیں ۔ میرا اندر قدم رکھنا تھا کہ فریاد کی صدا بلند ہوئی ۔ صاحبزادی نے رو رو کر اس طرح واقعہ بیان کیا جس طرح کسی عزیز کے مرنے کا کوئی بین کرتا ہے ۔ میں نے بشیر کو بلایا وہ ڈرے کہ کہیں ٹھکائی نہ ہوجائے ؛ پہلے ہی سے بسورنا شروع کیا ۔ وہ دبے جاتے تھے اور بہن شیر ہوئی جاتی تھی آخر بڑی مشکل سے اتنا معلوم ہوا کہ ایک انگریز دونوں کتابیں لے کر چلا گیا۔ میں نے جاکر سائیس سے پوچھا کہ وہ انگریز کون تھا ۔ تو معلوم ہوا کہ سامنے جو ڈیرے پڑے ہیں ان میں وہ اترے ہیں۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ بھلا

ڈائرکٹر صاحب کو بچوں کی کتابوں سے کیا کام۔ خیر لڑکی کو دلاسا دیا
کہ میں لادوں گا، نہیں تو دوسری لکھہ دوں گا۔ اس نے کہا کہ میں
اوں گی تو وہی کتاب لوں گی۔ بڑی مشکل سے اس کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ اب فکر
ہوا کہ صاحب سے پوچھوں تو کیوں کر پوچھوں۔ سمجھہ ھی میں نہیں آتا تھا کہ
صاحب کا مطلب اس طرح بچوں کی کتابیں منگوانے سے کیا ہوسکتا ھے۔ غرض اسی
شش و پنج میں صبح ہوگئی کوئی سات بجے ہوں گے کہ صاحب کا چپراسی آیا اور
کہا کہ صاحب سلام بولتے ھیں۔ وہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ صاحب بیٹھے
مراۃالعروس پڑہ رھے ھیں۔ سلام کرکے کرسی پر بیٹھہ گیا۔ صاحب نے کہا "مولوی
صاحب آپ نے ایسی مفید اور دلچسپ کتابیں لکھیں اور طبع نہ کرائیں۔ اگر کل
آپ کا لڑکا مجھہ کو نہ ملتا تو شاید کوئی بھی ان کتابوں کو نہ دیکھتا اور چند
ھی روز میں بچوں کے ھاتھوں یہ کتابیں پھٹ پھٹاکر برابر ھوجاتیں۔ اگر آپ
اجازت دیں تو میں مراۃالعروس کو سرکار میں پیش کردوں۔ آج کل گورنمنٹ
ایسی کتابوں کی تلاش میں ھے جو لڑکیوں کے نصاب تعلیم میں داخل ھوسکیں"۔
میں نے کہا "آپ کو اختیار ھے"۔ یہ کہکر میں چلا آیا۔ صاحب نے وہ کتاب گورنمنٹ
میں پیش کردی۔ وہاں سے انعام ملا۔ یہاں شیر کے منہ کو خون لگ گیا۔ اوپر تلے
کئی کتابیں گھسیٹ ڈالیں۔ جو کتاب لکھی اس پر انعام، جو لکھا گیا پسند کیا گیا۔
غرض ہم مصنف بھی بن گئے اور ساتھہ ھی ڈپٹی کلکٹر بھی ھوگئے۔ مگر بھئی
بات یہ ھے کہ انسان کا جتنا عہدہ بڑھتا جاتا ھے اسی طرح اس کی فرصت کا وقت
بھی گھٹتا جاتا ھے۔ یہی مصیبت ھم پر پڑی۔ اِدھر کام کی زیادتی اُدھر سر سید
کی فرمائشوں کی بھر مار۔ آج یہاں لکچر دیا، کل وھاں دیا۔ تصنیف کا سلسلہ ھی
ٹوٹ گیا۔ خدا خدا کرکے بڑھاپے میں فرصت ملی تو قرآن شریف حفظ کرلیا۔ اس
کے ساتھہ ھی یہ شوق ھوا کہ اس کا ترجمہ بھی کرلو۔ لوگوں کو بھی مفید ھوگا۔ اور
ممکن ھے کہ تمھاری نجات کا بھی ذریعہ ھوجائے۔ غرض جتنی محنت ممکن تھی

انتی محنت کی - اسی ترجمے کے سلسلے میں 'الحقوق و الفرائض' کا مواد بھی جمع کرلیا' کلام مجید کی دعاؤں کو بھی ایک جگہ اکٹھا کرلیا - غرض ایک پنتہ اور کئی کاج ہوگئے - مگر بھئی سچ کہنا کہ کیسا ترجمہ کیا ہے'' - میں تو خاموش رہا مگر دانی نے کہا کہ مولوی صاحب ہم کو اس ترجمے کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا - مولوی صاحب نے کہا " ہیں میاں دانی! یہ کیا کہا' تم نے ابھی تک میرا ترجمہ نہیں دیکھا' بھئی غضب کیا - ارے میاں رحیم بخش ذرا ادھر تو آنا' وہ جو سنہری جلد کی حمائل شریف ہے وہ میاں دانی کو دے دو - بیٹا ذرا اس کو غور سے پڑھو - دیکھو تو میں نے اس بڑھاپے میں کیا محنت کی ہے''- غرض حمائل شریف میاں دانی کے قبضے میں آگئی - اُنھوں نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ یہ آپ کی یادگار رہے گی - جب ہم اُٹھ کر چلنے لگے تو مولوی صاحب نے دانی سے کہا - ارے بھئی ایک بات تو کہنی بھول گیا' اس حمائل شریف کا ہدیہ ساڑھے پانچ روپئے ہے کل ضرور لیتے آنا - بچارے کا شکریہ اکارت گیا اور دوسرے روز پورے ساڑھے پانچ روپئے مولوی صاحب نے دھروا لئے —

مولوی صاحب نےکئی مرتبہ اس عاجز پر بھی رقمی حملے کئے' لیکن یہ ذرا ٹیڑھا مقابلہ تھا - ایک چھوڑ کئی کتابیں مولوی صاحب سے اینٹھیں کبھی ایک پیسہ نہ دیا یہ نہیں کہ خدا نخواستہ وعدہ کرتا اور رقم نہ دیتا - میں اس وقت تک کتاب لیتا ہی نہ تھا جب تک مولوی صاحب خود نہ فرمادیتے کہ " اچھا بھئی تو یوں ہی لے جا - مگر میرا پیچھا چھوڑ'' - میری ترکیب یہ تھی کہ پہلے کتاب پر قبضہ کرتا' مولوی صاحب قیمت مانگتے' میں حجت کرتا - وہ جواب دیتے میں اس کا جواب دیتا - غرض بہت کچھ جھک جھک کے بعد تھک کر کہتے کہ جاؤ میں نے قیمت معاف کی - آئندہ میری کسی کتاب کو ہاتھ لگایا تو اچھا نہ ہوگا - مگر خدا غریق رحمت کرے ہمیشہ کوئی نہ کوئی کتاب مجھ کو دے دیتے تھے اور جان جان کر جھگڑتے تھے - ریویو کے لئے جو کتابیں آئیں وہ تو ہمارے باپ دادا کا مال تھیں - وہ پورا ریویو

لکھنے بھی نہ پاتے کہ کتاب کے صفحۂ اول پر میرا نام درج ہوکر شہادت دستاویزی اور ثبوت قبضہ کی شکل اختیار کرلیتا - اس وقت بھی میرے پاس اس زمانے کی بعض کتابیں موجود ہیں۔ معلوم نہیں کہ میاں دانی دو جو حمائل شریف عطا ہوئی تھی وہ ان کے پاس رہی یا نہیں —

کتابیں دو کتابوں میں نے مولوی صاحب کی ایل - ایل - ڈی کی گون پر قبضہ کرنے کی فکر دیتا تھا - ہوا یہ کہ جب میں اور دانی بی-اے میں پاس ہوئے تو جلسہ تقسیم اسنادکےلئے لاہور جانا پڑا - گون بنوانا بے ضرورت سمجھا گیا - اب خیال ہوا کہ گون کس کی چھینیں دانی دو تو گون مل گئی - میں نے مولوی صاحب کی گون تاکی۔ ہم دونوں مل کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی ضرورت کا اظہار کیا - کہنے لگے "بیٹا! میری گون بڑی قیمتی ہے' ساڑھے چھ سو روپئے میں دو گونیں بڑی ہیں - بھلا میں کیا خریدتا" یہ میاں مشرف نے میرے سر منڈھ دیں - وہ ایڈنبرا میں پڑھتے تھے' مجھے لکھا کہ اپنی تمام تصنیفات و تالیفات کی نہایت عمدہ جلدیں بندھواکر بھجوا دیجئے' سر ولیم میور دیکھنا چاہتے ہیں - سر ولیم میور پہلے ممالک مغربی و شمالی کے لفٹننٹ گورنر تھے' مجھ پر بھی بہت مہربان تھے! میں نےمشرف کے لکھے کو سچ جانا' کتابوں کی جلدیں بندھوا ایڈنبرا روانہ کردیں - ان کتابوں میں میرا کلام مجید کا ترجمہ بھی تھا - وہ بہت پسند کیا گیا - سر ولیم میور نےیہ کتابیں ایڈنبرا یونیورسٹی میں پیش کردیں اور ہمیں گھر بیٹھے ایل - ایل - ڈی کی ڈگری مل گئی - مگر اس ڈگری کی اطلاع میرے پاس بعد میں آئی۔ پہلے ایک درزی کا خط اور بل آیا کہ مسٹر مشرف کی فرمائش کے بموجب ایل - ایل - ڈی کی ایک سیاہ اور ایک سرخ گون معہ ٹوپی کے روانہ کی گئی ہے' براہ کرم جس قدر جلد ممکن ہو ساڑھے چھہ سو روپئے روانہ فرمائیے - میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ الہی یہ کیا ماجرا ہے یا تو مشرف دیوانہ ہو گیا ہے یا یہ درزی پاگل ہے کہ بیٹھے بٹھائے بل روانہ کر رہا ہے - یہ سوچ ہی رہا تھا کہ

گون کا پلندہ بھی آگیا - غرض اسی شش و پنج میں ایک ھفتہ گزر گیا - دوسری ڈاک سے ایل - ایل - ڈی کی ڈگری ملنے کا مراسلہ اور میاں مشرت کا خط ملا - قہر درویش بر جان درویش، درزی صاحب کو رقم روانہ کی، مشرت کو برا بھلا لکھا کہ وھاں سے یہ تھیلے بلوا کر بھجوانے کیا ضرور تھے، میں یہاں اپنے ناپ کی گون بنوا لیتا - بہر حال یہ گونیں ساڑھے چھہ سو روپیہ کی ھیں معاف کیجئے میں نہیں دے سکتا - جا کسی پروفیسر کی گون چھین کر کیوں نہیں لے جاتا، جو میرے پیچھے پڑا ھے"- میں یہ قصہ چپکا بیٹھا سنتا رھا - اس کے بعد بغیر کچھہ کہے سنے اٹھا اور مولوی صاحب کے سامان کی کوٹھری کا رخ کیا - وہ "ھاں ھاں ھاں ھاں" کہتے ھی رھے - میں نے کُنڈے کھول اندر گھس الماری میں سے کالی گون نکال ھی لی جب مولوی صاحب نے دیکھا کہ پانی سر سے گزر گیا تو سنبھل سنبھلا کر اٹھے - میں اتنی دیر میں دروازہ بند کر گون بغل میں مار پھر اپنی جگہ آگیا - مولوی صاحب بھی بیٹھہ گئے اور اب انھوں نے گون کی قیمت، میری لا پروائی، ریل میں چوری کے خطرات، بی - اے اور ایل - ایل - ڈی کی گون کے اختلاف غرض اسی طرح بیسیوں چیزوں میں لکچر دے ڈالے، میں بیٹھا سنتا رھا - جب وہ کہتے کہتے تھک گئے تو میں نے لکچر شروع کیا - اُستادوں کی محبت، اپنی غربت، گون کی صرف ایک روز کی ضرورت، وقت کی قلت، غرض دس بارہ پہلوؤں پر میں نے بھی اسپیچ دیدی اور آخر میں صاف کہدیا کہ یہ گون میں لیکر جاؤنگا - اور ضرور لیکر جاؤنگا - اس کے بعد مولوی صاحب کچھہ نرم پڑے، کہنے لگے "واپس کب کروگے"- میں نے کہا "آپ سرخ گون پہنتے ھیں کالی گون مجھے دیدیجئے، آپ کا کچھہ نقصان نہوگا اور ایک غریب کا فائدہ ھو جاے گا"- مولوی صاحب نے کہا "نہیں بیٹا! لاھور سے آکر دیدیجئیو، مجھے دربار وغیرہ میں یہ گون بھی پہنلنی پڑتی ھے"- یہ الفاظ انھوں نے کچھہ ایسے لہجے میں کہے کہ مجھے بھی وعدہ کرتے ھی بن پڑی - آخر میں گون لیکر گیا اور لاھور سے آکر واپس کر دی - جب مولوی صاحب نے گون پر قبضہ کر لیا

اس وقت بہت خفا ہوے۔ کہنے لگے "اب کے تو اگر میری کوٹھری میں گھسا تو اچھا ہی نہ ہوگا کل کو میرا کیش بکس اٹھ کر لے جاے گا۔ خیر دانی گون لیجاتا تو کچھ ہرج نہ تھا کیوں کہ واپسی کی تو امید رہتی۔ مجھے کب امید تھی کہ آپ پورے واپس بھی کریں گے۔ وہ تو کہو میرا حلال کا مال تھا جو واپس آگیا"۔ میں نے کہا "مولوی صاحب اگر مجھے پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ آپ کو گون کی واپسی کی توقع نہیں ہے تو آپ اس کی تمام عمر شکل بھی نہ دیکھتے"۔ ہنس کر ہنس لگے "چلو ختم بعد از جنگ کی صورت ہے۔ آئندہ میں دینے میں احتیاط کروں گا اور تم واپسی میں احتیاط کرنا"۔ اس وقت تو یہ باتیں ہنسی میں ہوئیں مگر اب افسوس ہوتا ہے۔ گون اگر میرے پاس رہ جاتی تو مولوی صاحب کی یادگار ہوتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ وہ گون میرے پاس بھیج دے۔ چونکہ اس میں میرا بھی حق ہے یہ ضرور ہے کہ وہ گون مولوی صاحب نے مجھکو دی تو نہ تھی، لیکن وہ سمجھ چکے تھے کہ یہ ہاتھ سے گئی۔ میری غلطی تھی جو اس کو لیجا کر واپس کیا۔ اب اگر مل گئی تو کبھی ایسی غلطی نہ کرونگا—

جس طرح مسٹر مشرف نے یہ گولیں مولوی صاحب کے گلے منڈھی تھیں اسی طرح نواب محسن الملک نے حیدرآباد میں فرنیچر ان کے سر چپیک دیا تھا۔ اس زمانے میں حیدرآباد میں نواب محسن الملک کا طوطی بول رہا تھا۔ ان کی تجویز اور سرسید کی تحریک پر مولوی صاحب حیدرآباد آئے۔ پہلے نواب محسن الملک ہی کے ہاں قیام کیا۔ اس کے بعد علیحدہ کوٹھی میں جا رہے۔ ہندوستانی وضع کا سامان تخت چوکیاں وغیرہ خرید لیں۔ بھلا محسن الملک یہ کیونکر دیکھ سکتے تھے کہ ان کا دوست پرانی وضع کے لوگوں کی طرح زندگی بسر کرے۔ ایک روز سکندرآباد جا، ایلن اینڈ کمپنی کو نئی ہزار کے فرنیچر کا آرڈر دیدیا اور کہدیا کہ مولوی صاحب کے ہاں پہنچا دو اور بل بنا کر بھیج دو۔ ایک روز جو مولوی صاحب اٹھتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ چھکڑے پر چھکڑا فرنیچر کا لدا کوٹھی کے

باهر کھڑا ہے۔ بہت چکرائے، لینے سے انکار کیا۔ مگر وہ نواب محسن الملک کا پڑھایا
ہوا شیطان تھا۔ وہ کب ماننے والا تھا۔ آخر لاچار گھر چھوڑ باہر آ بیٹھے اور دن بھر
میں مولوی صاحب کا مکان صاحب بہادر کی کوٹھی ہو گیا۔ مگر یہ بھی نذیر احمد
تھے، کچھ ایسی چال چلے کہ جب انکا تقرر پٹنچرو کی صدر تعلقداری پر ہوا تو
وہ سب کا سب سامان بہت ہی تھوڑی کمی پر ایان ہی کے سر مارا اور پٹنچرو
وہی اپنے پرانے تخت وغیرہ لے گئے۔ نواب محسن الملک کو کانوں کان خبر بھی
نہیں ہوئی۔ اب آگے کی داستان بڑی دلچسپ ہے۔ نواب محسن الملک دورہ پر
نکلے، پٹنچرو قیام کیا۔ مولوی صاحب خود کہیں دورہ پر گئے ہوے تھے
نواب صاحب نے گھر میں کہلا بھیجا کہ میں آیا ہوں میرے قیام کا انتظام کر دو۔
ایک کمرہ جس میں دو تین کرسیاں اور ایک دو میزیں تھیں کھول دیا گیا۔
یہ وہ ایان والے فرنیچر کی تلاش میں تھے۔ سمجھے کہ مولوی صاحب نے اپنے کمرے
میں سجا کر رکھا ہوگا اندر کہلا بھجوایا کہ میں مولوی صاحب کے کمرے میں
ٹھیرونگا۔ پہلے تو جواب ملا کہ وہاں آپ کو تکلیف ہوگی۔ مگر جب ادھر سے اصرار
ہوا تو وہ کمرہ بھی کھول دیا گیا۔ اندر جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں صفا چٹ
میدان ہے۔ نہ دری ہے نہ چاندنی نہ میز ہے نہ کرسی۔ کمرے کے بیچ میں ایک
چھوٹا سا تخت ہے، اس پر ایک کمبل پڑا ہوا ہے۔ بازو میں ایک چوکی پر رحل اور
جانماز رکھی ہے۔ کھونٹی پر کلام مجید لٹک رہا ہے۔ یہ بہت چکرائے۔ لوگوں سے
پوچھا "وہ فرنیچر کہاں گیا"۔ معلوم ہوا کہ آتے آتے مولوی صاحب اس کے کوڑے
کر آئے۔ بچارے ایک رات ٹھیرے اور صبح ہی کوچ بول دیا۔

کچھ عرصے تک تو نواب محسن الملک اور اُن کی بنی رہی، بعد میں
اتنی کھنچی کہ ٹوٹ گئی۔ مولوی صاحب کو یہ شکایت تھی کہ محسن الملک
مجھ پر دباؤ ڈال کر کام نکالنا چاہتے ہیں۔ محسن الملک کو یہ شکایت تھی
کہ مولوی صاحب میرے مخالف ہو کر مجھے اکھاڑنے کی فکر میں ہیں۔

غرض جب عمادالسلطنت بہادر کا زمانہ آیا اور محسن الملک بہادر کی کمان چڑھی تو مولوی صاحب کو میدان سے ہٹ جانا ہی مناسب معلوم ہوا۔ دوسرے حیدرآباد میں صحبت کا جو رنگ تھا وہ ایسا نہ تھا جس میں مولوی صاحب کا رنگ جم سکتا۔ اس زمانے کے جو حالات مولوی صاحب بیان کیا کرتے تھے' اُن کا زبان قلم پر نہ آنا ہی زیادہ مناسب ہے —

بعد میں دونوں بظاہر ملتے جلتے تھے' لیکن موقع پڑا تو ایک دوسرے کو پردے ہی پردے میں سنائے بغیر نہ رہتے تھے۔ ایک واقعہ تو خود میری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے۔ ۱۹۰۳ء کے دربار کے موقعہ پر کانفرنس کا اجلاس دہلی میں اجمیری دروازہ کے باہر ہوا۔ اس زمانے میں نواب محسن الملک علی گڈھ کالج کے سکریٹری تھے۔ کانفرنس کے صدر ہز ہائینس سر آغا خاں تھے۔ آدمیوں کی یہ کثرت تھی کہ بیٹھنے کو پنڈال میں جگہ نہ ملتی تھی ہر جلسے میں کئی کئی رئیس آجاتے تھے۔ ایک پورا دن خاص مولوی صاحب کے لکچر کے لئے مقرر ہوا۔ مدت ہوئی تھی کہ مولوی صاحب نے پبلک میں لکچر دینا چھوڑ دیا تھا۔ اس روز جو معلوم ہوا کہ مولوی صاحب لکچر دینگے خلقت ٹوٹ پڑی۔ لکچر شروع ہی ہوا تھا کہ لارڈ کچنر نے کہلا بھیجا کہ آج میں بھی آؤنگا۔ نواب محسن الملک نے ایسے باوقعت و ذی وجاہت مہمان کے استقبال کی تیاریاں شروع کیں۔ مولوی صاحب کے لکچر میں اسی گڑبڑ سے کھنڈت پڑتی تھی۔ پنڈال کے باہر ذرا گڑبڑ ہوئی اور نواب محسن الملک سمجھے کہ لارڈ کچنر آئے۔ اٹھکر باہر گئے اور پھر آ بیٹھتے۔ اسی طرح وہ کوئی دس پندرہ دفعہ باہر گئے اور اندر آئے۔ مولوی صاحب بہت جز بز ہوتے۔ خفا بھی ہوئے مگر ان کی کون سنتا تھا۔ قصہ مختصر آخر لارڈ کچنر آہی گئے۔ نواب محسن الملک نے سب کا تعارف کرایا۔ مولوی صاحب نے خود اپنا تعارف کرلیا۔ لارڈ کچنر کہنے لگے " مولوی صاحب

هم نے کورس میں آپ کی کتابیں پڑھی ھیں ، آج آپ سے ملکر بڑی خوشی ھوئی "۔
مولوی صاحب نے کہا " لاٹ صاحب مجھے بھی آپ سے ملکر بڑی خوشی ھوئی۔
اور سب سے بڑی یہ خوشی ھوئی کہ آپ کی وجہ سے ایک معمہ حل ھوگیا " ۔
لارڈ کچنر نے کہا کہ وہ کیا معمہ تھا ۔ مولوی صاحب نے کہا کہ " ھمارے ھاں
قیامت کی نشانیوں میں لکھا ھے کہ اس وقت ایسا تہلکہ ھوگا کہ حاملہ عورتوں
کے حمل گر جائینگے ۔ سمجھہ میں نہ آتا تھا کہ وہ ایسی کیا مصیبت ھوگی
کہ حمل گرادیگی ۔ مگر آج یقین آگیا کہ جو کچھہ لکھا ھے صحیح لکھا ھے ۔
جب آپ کی آمد نے بڑے بڑے پیٹ والے بڈھوں کے حمل گرادئیے تو کیا تعجب
ھے کہ قیامت کی آمد عورتوں کےحمل گرادے " ۔ تمام پنڈال میں سناٹا ھوگیا ۔
مگر مولوی صاحب کو جو کہنا تھا کہہ گئے اور اس طرح اپنے دل کا بخار نکال لیا ۔
بات یہ ھے کہ مولوی صاحب کو وقت پر ایسی سوجھتی تھی کہ باید و شاید ۔
چنانچہ امیر حبیب‌اللہ خاں ھی کے دربار کا واقعہ دیکھہ لو ـــ

امیر حبیب‌اللہ خاں بقرعید کے دن دھلی میں تھے ۔ اس روز جمعہ تھا۔
صبح کو بقرعید کی نماز عیدگاہ میں پڑھی اور جمعہ کی نماز جامع‌مسجد
میں' شام کو سرکٹ ھاؤس میں دربار کیا ۔ اس دربار میں ۸ یا ۹ دھلی کے
ھندو امیر اور اسی قدر مسلمان مشاھیر بلائیے گئے ۔ ان میں ایک مولوی
صاحب بھی تھے ۔ سر ھنری میک موھن نے ان لوگوں کا تعارف امیر صاحب
سے کرا یا ۔ جب مولوی صاحب کی باری آئی اور ان کی تعریف سر ھنری
نے کی تو امیر صاحب نے کہا " آپ کو ان کی تعریف کرنیکی ضرورت نہیں
ھے میں خود ان کی تصانیف بڑے شوق سے پڑھتا ھوں ۔ اور تقریباً سب کا
ترجمہ بھی کرا چکا ھوں ۔ دیکھنے کا اشتیاق تھا وہ آج پورا ھوگیا'' ۔ اس کے
بعد باتوں ھی باتوں میں پوچھا " آپ شعر بھی کہتے ھیں " ۔ مولوی صاحب
نے کہا " جی ھاں کہتا ھوں ۔ لیکن آج آپ کی تعریف میں اپنا نہیں دوسروں

کا شعر سناؤنگا"۔ یہ کہکر متنبی کا یہ شعر پڑھا :—

عید و عید و عید مجتمعا   وجه الحبیب و یوم العید والجمعا

واقعہ کے لحاظ سے یہ شعر ایسا بر محل ہو گیا کہ متنبی کو نصیب بھی نہ ہوا ہوگا۔ واقعات اور خاصکر حبیب کے لفظ نے شعر میں جان ڈال دی۔ تمام دربار چمک اٹھا۔ امیر حبیب اللہ خاں نے اٹھکر مولوی صاحب کو گلے سے لگا لیا اور اتنے بوسے دئے کہ مولوی صاحب گھبرا گئے۔ دوسرے روز جو انھوں نے اس واقعہ کا ذکر ہم سے کیا اس کو انہی کے الفاظ میں دھرانا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کہنے لگے " بھئی میں تو شعر پڑھکر مصیبت میں پھنس گیا۔ شعر پڑھنا تھا کہ یہ معلوم ہوا کسی شیر نے آکر مجھے دبوچ لیا ـ اس میرے شیر کا کوئی سوا گز چوڑا سینہ' میں ٹھیرا چھوٹے قد کا آدمی۔ اس نے جو پکڑ کر بھینچا تو ادھر تو ہڈیاں پلپلی ہوگئیں اُدھر دم گھٹنے لگا۔ اس کی گرفت سے نکلنے کی ہزار کوشش کرتا ہوں جنبش تک نہیں ہوتی۔ قسم خدا کی اس وقت تک ہڈیوں میں درد ہورہا ہے۔ بارے خدا خدا کر کے گرفت ڈھیلی ہوئی تو میں ذرا علیحدہ ہوا۔ ابھی پوری طرح سانس بھی نہ لینے پایا تھا کہ اس نے میرے گلے میں باہیں ڈال بوسہ پر بوسہ لینا شروع کیا۔ بھلا مجھ بڈھے کو دیکھو اور امیر صاحب کی اس حرکت کو دیکھو۔ کچھ تعریف کا یہ طریقہ افغانستان ہی میں اچھا معلوم ہوتا ہوگا مجھے تو مارے شرم کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ اللہ کا بندہ ذرا دم لیتا اور سبحان اللہ کہہ کر پھر لپٹ جاتا ـ لپٹتا اور لپٹتے ہی بوسے پر بوسہ لینا شروع کرتا۔بچارے دوسرے بھلے آدمی بیٹھے ہوئے کیا کہتے ہونگے۔ جب میں نے اس مصیبت سے رہائی پائی تو میری ناک سے پسینہ اس طرح بہہ رہا تھا جس طرح کسی ٹوٹی صراحی میں سے پانی رستا ہے۔ نا بھائی نا ایسے درباروں کو میرا دور ہی سے سلام ہے۔کون شعر پڑھ کر اپنی ہڈیاں تڑوائے"۔ مولوی صاحب کو اپنی ہڈیاں

سہلاتے جاتے اور یہ قصہ بیان کرتے جاتے تھے مگر ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ خوشی کے مارے دل کھلا جا رہا ہے۔ اور سمجھ رہے ہیں کہ شعر کی داد اس طرح اور اس رنگ میں آج تک نہ کسی شاعر کو ملی ہے اور نہ ملیگی ــ

اس تیزیء طبع کے ساتھہ صاف گوئی بھی بلا کی تھی۔ جو کہنا ہوتا تھا وہ کہے بغیر نہ رہتے تھے۔ اس میں کسی لفٹننٹ گورنر پر ہی حملہ کیوں نہ ہوجائے۔ سنہ ۱۹۰۴ ع میں لارڈ کرزن کا ایک لکچر ہوا۔ اور اس میں انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک ہندوستانی یورپ والوں کی طرح سچ بولنے کی عادت نہ ڈالینگے اس وقت تک ہندوستان ترقی نہیں کرسکتا۔ اخباروں میں یہ لکچر پڑہ کر مولوی صاحب کو بہت غصہ آیا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ اس کے چند ہی روز بعد ہمارے کالج میں سالانہ جلسہ ہوا۔ اور لارڈ لیفرائے جو ہندوستان کے لاٹ پادری تھے تشریف لائے۔ شامت اعمال سے انہوں نے بھی اپنے لکچر کا موضوع یہی قرار دیا۔ کالج کی طرف سے لاٹ صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مولوی صاحب تجویز کئے گئے۔ اب کیا تھا الله دے اور بندہ لے۔ جو کچھہ دل میں بخار بھرا تھا' خوب اچھی طرح نکال لیا۔ کالج والے حیران تھے کہ یا الہی یہ کیا ماجرا ہے۔ مولوی صاحب شکریہ ادا کر رہے ہیں یا لاٹ صاحب پر اعتراضات۔ مگر انہوں نے جب تک اپنے دل کی بھڑاس اچھی طرح نہ نکال لی' خاموش نہیں ہوے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہندوستان کے مغربی اثر کو نہایت پر مذاق پہلو سے بیان کیا۔ فرمانے لگے "حضرات پیجامہ اچھا ہے یا پتلون' ہم پرانے آدمی تو موسم کے لحاظ سے اٹھنے بیٹھنے کی سہولت و آرام کے لحاظ سے پیجامہ ہی کو اچھا کہیں گے۔ مگر آج کل کے ہندوستانی صاحب بہادر پتلون کا ساتھہ دیں گے۔ یہ کیوں۔ اس لئے کہ یہ انگریزوں کا پہناوا ہے۔ ہم اچکن یا انگرکھے کو اچھا کہیں گے کہ اس سے ستر ڈھکتا ہے۔ آدمی بھاری بھرکم معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے یورپ کے دلدادہ بھائی کوٹ کو پسند کریں گے۔ یہ کیوں۔ اس لئے کہ یہ انگریزوں کا پہناوا ہے۔ ہم بڈھے سلیم شاہی جوتی پر جان دیں گے

کیونکہ اس میں پیر کو آرام ملتا ہے، نرم نرم اور سبک ہوتی ہے۔ ہمارے فیشن کے عاشق فل بوٹ کا انتخاب کریں گے۔ یہ کیوں ۔ اس لئے کہ یہ انگریزوں کا پہناوا ہے۔ ہمارے پاس اپنی پرانی ہر چیز کے اچھے ہونے کا ثبوت موجود ہے۔ ان کے پاس صرف ایک جواب ہے کہ یورپ والے ایسا ہی پہنتے ہیں۔ اور ہوئی ہے بڑی یہی بات۔ قسمت نے ہم کو انگریزوں کا ماتحت کردیا ہے۔ ان کی ہر چیز ہمارے لئے قابل تقلید ہے اور ان کا ہر فعل ہمارے لئے چراغ ہدایت۔ اب افعال سے گزر کر اقوال پر نوبت آگئی ہے۔ پادری ارزن تھوڑے ہی دن ہوئے فرماچکے ہیں کہ ہندوستانی سچ چھوڑ دو اور انگریزی سچ بولا کرو۔ آج ہمارے پادری لیفرائے بھی ان کے ہم نوا ہوئے ہیں یا تو انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ یہاں کے سچ اور یورپ کے سچ میں فرق ہے اور وقت آگیا ہے کہ پیجامے کی طرح ہندوستانی سچ کو اتار پھینک دیا جائے اور پتلون کی طرح ولایتی سچ پہن لیا جائے۔ یا ان کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان نے کسی مذہب نے سچ کی تلقین ہی نہیں کی ہے اور یہ نیا مال دساور ہوکر ولایت سے آیا ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہو اب تمہارے پرانے سچ کی قدر نہیں رہی ہے۔ خدا کے لئے اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو ان لاٹ صاحبوں کا حکم مانو۔ یہ بڑے لوگ ہیں، مولوی نذیر حسین یا پنڈت بانکے لال نہیں ہے کہ انہوں نے ہندوستانی سچ بولنے کی ہدایت کی اور تم ہنسکر ٹال گئے۔ لاٹ صاحبوں کی بات نہ مانوگے اور ولایتی سچ نہ بولوگے اور یہ تازہ مال استعمال نہ کروگے تو یاد رکھو کہ نوکری ملنی مشکل ہوجائیگی۔ اور نوکری نہ ملی تو روٹیوں کو محتاج ہوجاؤگے۔ کیونکہ دونوں لاٹ صاحبوں نے یہ ہدایت نہیں کی ہے کہ نوکری کا خبط چھوڑو اور تجارت یا صنعت و حرفت اختیار کرو، اسی سے تمہارے دلدر دور ہوں گے" —

آخر میں مولوی صاحب نے تھوڑا بہت لارڈ لیفرائے کا شکریہ بھی ادا کردیا۔ لاٹ صاحب اردو بہت اچھی جانتے تھے۔ مولوی صاحب کی اس پرمذاق تقریر پر

مسکراتے رہے - مگر دل کا خدا ہی مالک تھا - کالج کے منتظمین کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں- مگر یہاں 'قہر از کمان جستہ' کی صورت تھی - کیا کرسکتے تھے - البتہ دل میں اُنھوں نے ٹھان لی ہوگی کہ آئندہ مولوی صاحب کو شکریہ ادا کرنے کی تکلیف نہ دینا ہی مناسب ہے —

اس واقعہ کے کچھہ ہی دنوں بعد میں حیدرآباد چلا آیا پھر دو دفعہ دھلی میں مولوی صاحب سے میرا ملنا ہوا - پہلی دفعہ جو ملا تو یہ وہ زمانہ تھا کہ امہات الامہ کی وجہ سے مولوی صاحب پر بڑی لے دے ہو رہی تھی- میں نے بھی اس کا ذکر چھیڑا- کہنے لگے " بھئی مجھے تو اس کتاب میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے لوگ اس طرح بر انگیختہ ہوجائیں- تم نے بھی یہ کتاب دیکھی ہوگی - آخر تم ہی بتاؤ کہ اس میں میں نے کونسی ایسی نئی بات لکھی ہے"- میں نے خود امہات الامہ نہیں دیکھی تھی مگر میں مولوی صاحب کے طرز تحریر سے واقف تھا- اس لئے میں نے یہی کہا کہ "مولوی صاحب آپ کا طرز تحریر مذاق کا پہلو لئے ہوتا ہے - وہ کچھہ قصہ کہانیوں ہی میں مزا دیتا ہے - تاریخ کی کتابوں اور خاصکر مذہبی معاملات میں وہ کسی طرح کھپ نہیں سکتا- اگر لوگوں کو اعتراض ہوگا تو آپ کی طرز تحریر ہی کے متعلق ہوگا" - مولوی صاحب نے کہا "میرے کلام مجید کے ترجمہ کے متعلق تو یہ اودھم کیوں نہیں مچا"- میں نے کہا "اس پر بھی لوگوں کو اعتراض ہیں - مگر اس میں آپ کا معاملہ اللہ میاں سے ہے اور یہاں انسانوں سے - مشہور مقولہ ہے کہ "با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار" کچھہ سوچتے رہے پھر کہنے لگے - ہاں بیٹا کہتے تو سچ ہو - اس قسم کی تالیفات میرے دائرۂ تحریر سے باہر ہیں- انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس نقص کو رفع کر دوں گا —

جب میں چلنے لگا تو فرمایا "کہو بیٹا! پھر ملوگے - ابھی تو تمہارے جانے میں بہت دن ہیں"- میں نے کہا "انشاءاللہ ضرور آؤنگا"- ہنس کر کہنے لگے

انشاءالله کہنے کے بعد تم ضرور آئے۔ مسلمانوں کو جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو ہزاروں قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ یہ کام میں ضرور کروں گا۔ مگر جب کسی کام کے کرنے کو جی نہیں چاہتا تو ہمیشہ یہی کہا کرتے ہیں کہ انشاءالله ضرور کرونگا۔ ہم تو اس کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اس کام کے کرنے کا تو ارادہ نہیں ہے۔ ہاں اگر خدا نے چاہا اور زبردستی یہ کام کرا دیا تو مجبوراً کرلینگے"۔ میں نے کہا "مولوی صاحب آپکو 'انشاءالله' کے یہ معنی پہنانے مناسب نہیں ہیں۔ آپ مذاق ھی پہلو مذہبی معاملات میں بھی نہیں چھوڑ تے"۔ کہنے لگے "میاں۔ پہلے 'انشاءالله' کے معنی دوسرے تھے آج کل کے مسلمان وہی معنی لیتے ہیں جو میں نے بیان کئے"۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ اسی رات کو عین میرے پلنگ کے نیچے طاعون کا چوھا مرا۔ اور صبح ھی کے میل سے میں ایسا دھلی سے بھاگا کہ حیدرآباد آکر دم لیا۔

دوسری دفعہ جو میں ملا تو مولوی صاحب کی صحت جواب دے چکی تھی۔ چھت پر جو چھوٹا کمرہ تھا اس میں آرہے تھے۔ رعشہ میں اضافہ ہو گیا تھا، آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا۔ پلنگ پر بیٹھے رہا کرتے تھے میں نے کمرے کے دروازے میں قدم رکھتے ھی بڑے زور سے سلام کیا۔ کہنے لگے "ہیں یہ کون صاحب ہیں"۔ میں نے کہا "میں ہوں"۔ پھر پوچھا "آخر 'میں' کون صاحب ہوے۔ نام کیوں نہیں بتاتے۔ ارے بھائی اب مجھے صاف نہیں دکھائی دیتا۔ ذرا قریب آؤ"۔ میں نے کہا "واہ مولوی صاحب واہ۔ اگر آواز سے نہیں پہچانا تو خوب پہچانا، دور سے پہچانئے تو بات ہے"۔ ایک دفعہ ھی ھنس پڑے اور کہنے لگے "اوھو، مرزا فرحت صاحب ہیں۔ بھلا اور کون یہ بے تکی باتیں کرے گا۔ آؤ بیٹا، آؤ۔ اب کے تو کئی برس کے بعد آئے"۔ میں پاس گیا، گلے لگایا، حالات پوچھتے رہے۔ باتیں کرتے کرتے کہا "ذرا دیکھنا بھئی گھڑی میں کیا بجا ہے"۔ میں نے گھڑی دیکھکر کہا کہ "ساڑھے نو میں پانچ منٹ ہیں"۔ کہنے لگے "اوھو، دیر ہوگئی۔ ذرا میرا جوتا اور

جرابیں تو لے آؤ - میں نے لاکر جرابیں پہنائیں - جوتہ سوکھ کر لکڑی ہو گیا تھا - وہ زبردستی پاؤں میں ٹھونسا - جوتہ پہن کر کھڑے ہو گئے - میں نے کھونٹی پر سے اتار کر شیروانی اور ٹوپی دی - وہ پہن کر کہنے لگے "چلو بھئی چلو وقت تنگ ہو گیا ہے"۔ میں نے کہا "مولوی صاحب آخر کہاں جانا ہے"۔ کہنے لگے "بیٹا آج ایک مقدمہ کی پیشی ہے، وہاں جارہا ہوں، ذرا مجھکو کشمیری دروازہ تک تو لے چل"- بہر حال ہاتھہ پکڑ کر نیچے اترے باہر دیکھوں تو کوئی سواری نہیں- میں نے کہا "مولوی صاحب خدا کے لئے اب اس عمر میں تو اس طرح پیدل نہ پھرا کیجئے، خدا نے سب کچھہ دے رکھا ہے، آخر یہ کس دن کے لئے ہے - روپیہ اسی لئے ہوتا ہے کہ خرچ کیا جائے، بال بچوں کی طرف سے بھی بے فکری ہے، کیوں اس بڑھاپے میں آپ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، ذرا اپنی حالت کو دیکھئے اور کشمیری دروازہ کو دیکھئے، یہ دو میل جانا اور دو میل آنا، آپ کو مضمحل کر دیگا - ذرا ٹھیر جائیے، میں گاڑی لے آتا ہوں"- بہت بگڑے اور کہنے لگے "تجھکو میرے معاملے میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے - اب چلتا ہے تو چل نہیں میں کسی اور کو بلاتا ہوں - ابھی میرے ہاتھہ پاؤں نے ایسا جواب نہیں دیا ہے کہ کشمیری دروازہ تک نہ جا سکوں"۔ میں نے کہا "مولوی صاحب خدا کے لئے اب تو گاڑی رکھہ لیجئے، اگر آپ خرچ نہیں اٹھاتے تو میں اٹھاؤنگا"- ہنس کر کہنے لگے "کیوں تیرا روپیہ اچھلنے لگا ہے، کیا میرے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ گاڑی نہ رکھہ سکوں - بیٹا بات یہ ہے کہ پہلے تو میں نے اس لئے گاڑی گھوڑا نہیں رکھا کہ سائیسوں سے ڈر لگتا تھا؛ ایک تو دانہ گھاس چراتے ہیں، دوسرے گھوڑے کی مالش نہیں کرتے، تیسرے گاڑی کا آج یہ توڑا کل وہ توڑا، کون بیٹھے بٹھائے اپنی بھلی چنگی جان کو یہ عذاب لگائے اور دن رات کا فکر مول لے - رفتہ رفتہ پیدل پھرنے کی عادت ہوگئی - اب آخری عمر میں گاڑی کی ضرورت ہوئی تو گاڑی رکھتے ہوئے شرم آتی ہے لوگ کیا کہیں گے کہ تمام عمر تو مولوی صاحب جوتیاں

چٹخاتے پھرے، اب بڑھاپے میں گاڑی پر سوار ہوکر پھرتے ہیں۔ نا بھئی نا، اب گاڑی رکھنا وضعداری کے خلاف ہے"۔ میں نے کہا "تو کمیشن ہی جاری کرا لیا ہوتا"۔ کہنے لگے "وہ بھئی میری وضعداری کے خلاف ہے۔ ہمیشہ کچہری میں جا کر گواہی دی، اب بڑھاپے میں اس وضعداری کو کیوں توڑوں"۔ بہر حال یہی بحثیں کرتے کرتے کچہری پہنچ گئے۔ ڈپٹی صاحب کو اطلاع ہوئی۔ انہوں نے مولوی صاحب کو اپنے کمرے میں بٹھایا اور سب سے پہلے انہیں کا مقدمہ لیکر ان کی شہادت قلمبند کی اور یہ جس طرح گئے تھے اُسی طرح ہانپتے کانپتے میرا ہاتھ پکڑ کر گھر آئے۔

حیدرآباد آنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ اُس چہکتے ہوئے بلبل نے اس گلشن دنیا سے کوچ کیا۔ جب کبھی دہلی جاتا ہوں تو مولوی صاحب کے مکان پر ضرور جاتا ہوں۔ اندر قدم نہیں رکھتا مگر باہر بڑی دیر تک دیوار سے لگ کر دروازے کو دیکھا کرتا ہوں اور رہ رہ کر ذوق کا یہ شعر زبان پر آتا ہے:

یہ چمن یونہی رہے گا اور سارے جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائینگے

الغرض باقی ہوس

اساتذہ کی اصلاحیں

از

(جناب صفدر مرزاپوری صاحب)

———(خواجہ وزیر 'وزیر')———

خواجہ اسد علی آفتاب الدولہ 'قلق' :—

قلق: صاف لکھ بھیجا جواب اُس نے مری تحریر کا
حال روشن ہوگیا سارا خط تقدیر کا

اصلاح: صاف لکھ بھیجا جواب اُس نے مری تحریر کا
لو لفافہ کُھل گیا سارا خط تقدیر کا

مصرعہ ثانی میں "تحریر" کی رعایت سے خواجہ صاحب نے "لو لفافہ کُھل گیا" بنایا اور خوب بنایا - اس اصلاح سے شعر میں لطافت پیدا ہوگئی - اور ایک محاورہ بھی نظم ہوگیا —

قلق: صاف دل ہوں مدعی پہنچا سکے کا کیا ضرر
کارگر کیا نیش ہوگا عقرب تصویر کا

اصلاح: بے لیاقت ہوں مدعی پہنچا سکے کا کیا ضرر
کارگر کیا نیش ہوگا عقرب تصویر کا

پہلے مصرع میں بجائے "صاف دل ہوں" کے "بے لیاقت" بنایا۔ جس سے ضمناً مدعی کی تفضیک بھی ہوئی اور شعر بھی صاف ہوگیا —

قلق: جب ہوا گرم سخن تو بزم کو مہکا دیا
عطر کھینچا یار کے لب نے گُل تقریر کا

اصلاح: جب ہوا گرم کلام مختصر مہکا دیا
عطر کھینچا یار کے لب نے گُل تقریر کا

مصرعہ اولیٰ میں بجائے " سخن تو بزم " کے " کلام مختصر " بنا کر دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا کردیا کلام مختصر کا ٹکڑا ایسا معنی خیز رکھدیا کہ عطر کھینچنے کا ثبوت قوی ہوگیا۔ کتنی نازک اصلاح دی —

قلق: اِدھر بھی دیکھہ لو جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

اصلاح: ادا سے بھی دیکھہ لو جاتا رہا گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

صرف ایک لفظ " ادا " کے شعر میں کیا کیا ادا پیدا کردی۔ ایسی اصلاح کو اصلاح کہتے ہیں جسنے اس مطلع کو مقبول خاص و عام کردیا۔ دیکھئے اک زرا سے لفظ نے مطلع میں لاکھوں بناو پیدا کردئے —

قلق: الٰہی خیر ہو کچھہ آج رنگ لایا ہے
ٹپک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا

اصلاح: الٰہی خیر ہو کچھہ آج رنگ بےڈھب ہے
ٹپک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا

پہلے مصرع میں بجائے " رنگ لایا ہے" کے " رنگ بے ڈھب ہے " بنا کر شعر میں لطف زبان پیدا کردیا —

قلق: نگہہ مہر سے دیکھو جو زرا تم مجکو
پھر جگہ آنکھوں میں دینے لگیں مردم مجکو

اصلاح: نگہہ مہر سے دیکھو جو زرا تم مجکو
آنکھہ کا تارا سمجھنے لگیں مردم مجکو

دوسرے مصرع میں " پھر جگھہ آنکھوں میں دینے لگیں " کے بجائے " آنکھ کا تارا سمجھنے لگیں " بنایا جس سے شعر میں ترقی کے علاوہ مناسبت الفاظ کس قدر پیدا ہوگئی —

قلق : مسکرانا ترا یاد آتا ہے جب اے خوشرو
خون رلواتا ہے غنچوں کا تبسم مجکو

اصلاح : مسکرانا ترا یاد آتا ہے جب اے گل تر
خون رلواتا ہے غنچوں کا تبسم مجکو

پہلے مصرع میں " خوشرو " کے بجاے " گُل تر " بنا کے شعر کو رعایت لفظي سے مالا مال کردیا - یہ اُس دور کا خاص مذاق تھا - جو اب نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے * —

——— (میر ' وحید ' الہ آبادی) ———

خان بہادر لسان العصر اکبر الہ آبادی :—

اکبر: آج آرایش گیسوے دوتا ہوتی ہے
او مری جان گرفتار بلا ہوتی ہے

اصلاح : آج آرایش گیسوے دوتا ہوتی ہے
پھر مری جان گرفتار بلا ہوتی ہے

مصرعۂ ثانی میں بجاے " او " کے "پھر" بنا یا - اس ایک لفظ کی ترمیم سے مطلع کے معنی کیا سے کیا ہو گئے' سبحان اللہ —

اکبر : ہاں کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

اصلاح : پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہےکہ محبت بھی بلا ہوتي ہے

---

* یہ اصلاحیں بھی حضرت' عشرت' لکھنوی نے مرحمت فرمائیں—

پہلے مصرع میں بجائے "ھاں" نے پھر "پھر" بنایا جس سے شعر زبان کے سانچے میں ڈھل گیا اور معنوی خوبیاں بڑھ گئیں

اکبر　　ھوں فریب نگہہ ناز کا قایل اکبر
　　　　مرتے دم تک نہ کھلا یہ کہ جفا ہوتی ہے

اصلاح　　ھوں فریب نگہہ ناز کا قایل اکبر
　　　　مرتے مرتے نہ کھلا یہ کہ جفا ہوتی ہے

حضرت اکبر خود فرماتے تھے کہ میں نے اپنے خیال میں "مرتے دم تک" یہ ٹکڑا بہت سمجھہ کے رکھا تھا مگر اُستاد وحید مرحوم نے بجائے اس کے "مرتے مرتے" جو بنایا تو بے ساختہ دل چاھا کہ دست مبارک کو بوسہ دوں واقعی عجیب نادر اصلاح دی جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے - اب ذرا مرتے مرتے کے معنی غور فرمائیے - اور حضرت وحید سے کامل الفن اُستاد کی روح کو فاتحہ سے ثواب پہنچائیے —

اکبر　　اُنھیں سے ہوئی مجھہ کو اُلفت کچھہ ایسی
　　　　نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھہ ایسی

اصلاح　　تمھیں سے ہوئی مجھکو الفت کچھہ ایسی
　　　　نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھہ ایسی

مصرعۂ اولیٰ میں بجائے "اُنھیں" کے "تمھیں" کا معنی خیز لفظ رکھہ دینا ایسے ھی با کمال اُستاد کا کام تھا - ظاھری معنی تو جو ھیں وہ ظاھر ھیں مگر میں نے بہت غور و خوض کے بعد جو معنی اس کے سمجھے ھیں وہ عرض کئے دیتا ھوں - دوسرے مصرع میں قایل کہتا ہے "نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھہ ایسی" اس موقع پر لفظ (میری) کو ذرا زور دے کر پڑھئے تو انکشاف معنی ھوجائے - مطلب یہ کہ میری طبیعت ایسی نہ تھی بلکہ تمھاری طرف سے ابتدا ھوئی - " عشق اول در دل معشوق پیدا می شود" کا مصداق سمجھہ لیجئے - یعنی تمھیں نے مجھے محبت کا

سبق دیا ورنہ میری طبیعت کچھ ایسی نہ تھی کہ کسی سے الفت ہوتی۔ ابتدائے صحبت اُنھیں ہی سے ہوئی ٭ —

——— (میر ببر علی انیس) ———

مشاطۂ سخن حصۂ اول صفحہ ۳۷ میں خاکسار مؤلف نے جناب نبن صاحب برادر کوچک مولوی سید سبط حسین سے سن کر یہ لکھدیا تھا کہ میر نواب مونس مرحوم نے ایک مرثیہ جس کا مطلع یہ تھا "پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح" بڑی محنت سے کہا اور میر صاحب مرحوم کو یہ کہکر سنایا کہ اگر ایک اصلاح بھی آپ اس مرثیہ پر دیدیں تو میں مرثیہ آپ کے نذر کردوں۔ میر انیس مرحوم نے فرمایا کہ میں مرثیہ لے لوں گا" اُنھوں نے کہا جی ہاں۔ اس شرط کے بعد کہا اچھا پڑھئے - مونس نے پڑھنا شروع کیا جب یہ بند پڑھا

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز سرخ زرد
رکھتی تھی دیکھکر قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامن گُل پر پڑے نہ گرد

اسی بند کے تیسرے "مصرع" کو میر انیس مرحوم نے یوں بنایا "رکھتی تھی پھونکپھونک کے قدم اپنا ہوائے سرد" اور مرثیہ مطابق شرط کے مونس مرحوم کو دینا پڑا —

اس واقعہ کی تردید زبانی اکثر احباب سے کی اور کئی مضامین اس کی تردید میں میرے پاس آئے۔ جس میں سے مولانا قتیل پھر سری کا مضمون مع اپنے مختصر نوٹ

٭ یہ اصلاحیں مجھے اپنے محترم دوست محمد علیم خاں صاحب "علیم" الہ آبادی سے ملیں جو حضرت اکبر کے خاص دوستوں میں ھیں اور مرحوم ھی سے مشورۂ سخن بھی فرماتے تھے - ان اصلاحوں کا ذکر خود اکبر مرحوم نے اُن سے فرمایا تھا جو ان کے تحویل حافظہ میں محفوظ تھیں —

نے "حسن ادب" میں میں نے شایع کرادیا۔ میں انسان ہوں کوئی عالم لاہوت کا باشندہ نہیں اگر میں نے دھوکا کھایا تو اس کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت خواہ بھی ہوں -

میں اپنے لکتہ رس دوست حضرت حسن کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے مشاطۂ سخن کا ریویو کرتے ہوئے اس اصلاح کا بھی ذکر فرمایا اور نہایت تحقیق کے ساتھ رسالہ "زمانہ" بابۃ دسمبر سنہ ۱۹۱۸ء میں اس واقعہ کی اصل روایت یوں تحریر فرمائی --

میر انیس مرحوم نے ایک مجلس میں اپنا یہ مرثیہ پڑھا تھا -

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح

اس کے اختتام پر وقت شام یوں دکھایا ہے۔

ڈیوں سے اڑ کے سوے فلک جارہی تھی گرد

سبزے پہ لوٹ پوٹ تھا مینائے لاجورد

دوسرے روز میر مونس مرحوم ایک مرثیہ لکھکر لائے اور میر انیس کی خدمت میں پیش کیا - اُنھوں نے صبح کی سینری اس بند میں دکھائی۔

زردی شفق میں اور وہ مینائے لاجورد

مخمل سی نرم گیاہ میں گُل سبز سرخ زرد

رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد

یہ خوف تھا کہ دامن گُل پر پڑے نہ گرد

میر انیس نے دیکھا اور گرم ہوکر فرمایا کہ یہ کیا دفعۃً آسمان سے زمین پر نیچے گر پڑے -ذرا خوب غور کرو کہ یہ ہوا کی چوری سے آنے کا محل نہیں رہا۔ پھر کُل بند کے مصرعوں کو یوں بنایا ـ

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد

مخمل سی وہ گیاہ وہ گُل سبز سرخ زرد

رکھتی تھی دیکھکر قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد

مونس نے عذر کیا کہ ہوا کے آنکھوں کہاں جو دیکھہ سکے - انیس نے فرمایا مگر کان تو ہیں - مطلب یہ کہ پھونکنا کسی بات کا کان کے اندر کہا جاتا ہے اور پامالی گل تر کے خوف سے ہوا کو قدم قدم پر دیکھنا ضرور تھا--

ایسے با خبر و با کمال سخنور اب مشکل سے پیدا ہوں گے جن کی ملکہ فطرت شناسی اور لطف زبان آوری اب تک یادگار و سبق آموز اہل و نہار ہیں—

میر صاحب نے اس بند میں جن جن مقامات پر اپنا قلم اٹھا دیا ہے - وہ دیکھنے اور سمجھنے کی چیز ہیں اور واقعی سبق آموز ہیں—

میر مونس کا یہ مطلع آج زبانوں پر ہے مگر اصل میں مونس نے یوں کہا تھا

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
یونہی مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

میر انیس نے فرمایا کہ بھائی دوسرے مصرع کو یوں بنادو ' ع:

گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

سبحان اللہ - اس اصلاح کی تعریف میں زبان و قلم دونوں قاصر ہیں - پہلے مصرع میں دو ٹکڑے ہیں - ' نہ تڑپنے کی اجازت ہے ' دوسرا ' نہ فریاد کی ہے ' ان دونوں ٹکڑوں کا ثبوت قوی "گھٹ کے مرجاؤں" اِس ٹکڑے سے پیدا ہو گیا - ورنہ "یونہی مرجاؤں" تو یونہی تھا - اسی اصلاح کا یہ اثر ہوا کہ یہ مطلع مشہور عالم ہو گیا —

یہ اصلاح داروغہ واجد حسین صاحب 'واقف' تلمیذ حضرت ' اسیر' مرحوم نے عنایت فرمائی - اُن کو جناب بابو صاحب خلف عارف مرحوم نبیرۂ انیس سے حاصل ہوئی—

——— (مرزا سلامت علی دبیر لکھنوی) ———

میر واجد حسین مجھ سے ناقل تھے کہ ایک مرثیہ کسی شاگرد کا کہا ہوا مجھے مرزا صاحب نے دیا کہ اس کو صاف کردو۔ حضرت عباس کے حال کا مرثیہ تھا، اس موقعہ پر کہ جب حضرت عباس خیمے سے برآمد ہوے ہیں، مرزا صاحب نے اصلاحاً یہ ٹیپ لکھی تھی —

آپ آتے ہیں عورت نہ کوئی سامنے آئے

اقبال سے کہدو کہ عناں تھامنے آئے

مجھے جو شرارت سوجھی تو میں نے دوسرا مصرع یوں لکھدیا ع:

ہاں فتح سے کہدو کہ عناں تھامنے آئے

میں گردن جھکائے لکھ رہا تھا کہ مرزا صاحب آہستہ آہستہ آکر پیچھے کھڑے ہوگئے، مجھے خبر نہ ہوئی، اس ٹیپ کو پڑھکر ہنسے اور فرمایا، واہ میر واجد حسین صاحب! آپ نے تو مجھے بڑی اصلاح دیدی۔ اب میں نے گردن اٹھائی، دیکھا مرزا صاحب کھڑے ہوے ہیں، میں چپ، فرمایا کیا اقبال سے آپ فتح کو اس موقع پر ترجیح دیتے ہیں میں نے عرض کی، جی نہیں، اس وقت میرے خیال میں یونہی آگیا، میں اس کو مٹائے دیتا ہوں، کپڑا پانی میں ڈوبا ہوا سامنے رکھا تھا، میں نے اٹھایا، فرمایا ذرا ٹھیرو، سمجھ تو لو، لفظ فتح میں کیا برائی اور اقبال میں کیا خوبی ہے۔ میں نے کہا فرمائیے، فرمایا، اقبال اردو میں مذکر اور فتح مونث ہے۔ پس جب شاعر اچھے شگون کے خیال سے یہ کہتا ہے کہ عورت کوئی نہ سامنے آئے تو فتح جو مونث ہے، سامنے آنا کب مناسب ہوگا۔ اس کے سوا لفظ اقبال کے لفظی معنے پر غور کرو، اقبال کے خود معنے آگے آنے کے ہیں، لفظ فتح میں یہ بات کہاں —

(حیات دبیر جلد اول صفحہ ۵۴)

برادر مکرم جناب نفیس بنگلوری تحریر فرماتے ہیں کہ مرزا احمد صاحب ظہور، جن کے انتقال کو ابھی ۳ برس ہوے، مجھ سے ناقل تھے، کہ ایک دن

میرصفدر علی 'صفدر' مرحوم مہری موجودگی میں اپنا مرثیہ سناتے جاتے تھے' اور مرزا مرحوم سن سن کر جا بجا اصلاح دیتے جاتے تھے کہ انھوں نے ایک مقام پر تلوار کی تعریف میں یہ ٹیپ پڑھی—

سد سکندری کو تپ لرزہ آتی تھی دیوار قہقہہ ہوی کھڑی تھرتھراتی تھی

فرمایا اس کو یوں بناؤ—

سد سکندری پہ جو بھڑکی گھلا دیا دیوار قہقہہ پہ جو کڑکی رلا دیا

(حیات دبیر جلد اول صفحہ ۶۳)

———(مرزا اصغر علی خاں نسیم دھلوی)———

منشی امیراللہ تسلیم لکھنوی :

ھاے اب تک نہ رخ ساغر و مینا دیکھا
آج کیا جانئے منہ اُٹھتے ھی کسکا دیکھا

اصلاح : ھاے اب تک نہ رخ ساغر و مینا دیکھا
آج کیا جانئے منہ صبح کو کس کا دیکھا

دوسرے مصرع میں بجاے "منہ اٹھتے ھی" کے "منہ صبح کو" بنایا۔ خاص محاورہ یہی تھا جو اس محل پر اصلاح میں صرف کیا گیا۔ صرف ایک لفظ کی ترمیم سے شعر میں کس قدر لطف زبان پیدا ھو گیا اور ایک رکیک پہلو جو شعر میں پہلے تھا جاتا رھا—

تسلیم: کون سنتا ھے میں کس سے کہوں دل کی باتیں
پنبہ در گوش تری بزم میں مینا دیکھا

اصلاح: کون سنتا ھے میں کس سے کہوں دل کی ساقی
پنبہ در گوش تری بزم میں مینا دیکھا

پہلے مصرع میں بجاے "باتیں" کے "ساقی" بنایا۔ ظاھر ھے کہ دوسرے مصرع میں مینا کا ذکر ھے اسی مناسبت سے پہلے مصرع میں ساقی سے خطاب ھے۔

اصلاح سے شعر صاف ہو گیا اور "تری بزم" کا ثبوت قوی ہو گیا —

تسلیم: روتے روتے میں اگر سو بھی گیا فرقت میں
خواب میں دیدۂ پر آب نے دریا دیکھا

اصلاح: روتے روتے میں اگر سو بھی گیا ھجر کی شب
خواب میں دیدۂ پر آب نے دریا دیکھا

مصرعۂ ثانی میں خواب کا ذکر ھے اس لئے مصرعۂ اولیٰ میں اُستاد نے بجائے "فرقت میں" کے "ھجر کی شب" بنایا۔ خواب کے لئے شب کی ضرورت تھی۔ میرے ایک دوست نے اس شعر کو سن کر فرمایا کہ ھجر کی شب کا سونا قیامت ھے میں نے عرض کیا کہ تقاضائے فطرت ھے۔ مسکرا کر خاموش ھو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے اس برجستہ فقرے کی داد دی —

تسلیم: سایہ جو زلف کا کمر یار تک گیا
مانند شاخ سنبل پیچاں لچک گیا

اصلاح: سایہ جو زلف کا کمر یار تک گیا
مانند شاخ نازک سنبل لچک گیا

دوسرے مصرع میں اُستاد نے "نازک" کا لفظ بنا کر شعر میں نزاکت پیدا کردی —

تسلیم: لاتی ھے فرق رسم محبت میں دل لگی
چھیڑا صبا نے آکے تو غنچہ چٹک گیا

اصلاح: لاتی ھے فرق رسم محبت میں دل لگی
چھیڑا صبا نے پیار سے غنچہ چٹک گیا

دوسرے مصرع میں "آکے تو" زاید تھا اس لئے بجائے اس ٹکڑے کے اُستاد کامل نے "پیار سے" بنا کر پہلے مصرع میں جو "محبت" کا لفظ تھا اُس کو ثابت کردیا۔ عمدہ اصلاح ھے —

تسلیم: پہلو میں اب کہاں دل گم گشتہ کا پتا
مدت ہوئی کہ دیدۂ تر سے ٹپک گیا

اصلاح: پہلو میں اب کہاں دل خوں گشتہ کا پتا
مدت ہوئی کہ دیدۂ تر سے ٹپک گیا

پہلے مصرع میں "گم گشتہ" کو قلم زد فرما کے خوں گشتہ بنایا - واقعہ ہے کہ جب تک خوں گشتہ نہ ہوتا دیدۂ تر سے ٹپکنا ناممکن تھا - اُستادانہ اصلاح دی —

تسلیم: پھول خشک - افسردہ سبزہ - شمع چپ بالیں اُداس
روئیے ہم عالم گور غریباں دیکھکر

اصلاح: پھول خشک - افسردہ سبزہ - شمع چپ بالیں اُداس
جی بھر آیا عالم گور غریباں دیکھکر

مصرعۂ ثانی میں "روئیے" کے بجائے "جی بھر آیا" بنا کر شعر میں درد و اثر پیدا کردیا - جیسا بے مثل شعر تھا ویسی ہی بے نظیر اصلاح بھی دی - اس شعر میں حسرت و یاس و بے کسی کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اُس سے دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے - حضرت تسلیم کا یہ شعر اُن کے تین دیوانوں میں سرمایۂ ناز ہے —

تسلیم: سچا ہے اگر دعویٰ دل میں وہی کافر
رکھدیتے ہیں مسجد میں قسم کھا کے اُٹھا لے

اصلاح: سچا ہے اگر دعویٰ دل میں بت کافر
رکھدیتے ہیں مسجد میں قسم کھا کے اُٹھا لے

پہلے مصرع میں "وہی" کی ضرورت کیا تھی جب "بت" کا لفظ بے تکلف آسکتا ہے - کافر کی رعایت اور مسجد کی مناسبت سے "بت" کا لفظ خوب

بٹھایا گیا ہے —

———(منشی امیر احمد 'امیر' مینائی)———

منشی نعیم الحق 'ضو' شیخپوری:—

بجلیاں کانوں کی رخ پر عکس افگن ہوگئیں
رو برو گالوں کے دا دو شمعیں روشن ہوگئیں

اصلاح۔ بجلیاں کانوں کی رخ پر عکس افگن ہوگئیں
دھری شمعیں رو برو گالوں کے روشن ہوگئیں

جناب 'ضو' کا مصرعہ ثانی لیٹا ہوا تھا۔ اُستاد نے اصلاح سے چمکا دیا۔ اب مطلع میں روانی اور سلاست پیدا ہوگئی —

ضو۔ کس طرح سے بوسہ لوں زلفیں تو دشمن ہوگئیں
زلفیں اُڑ پڑ کر رخ روشن پر چلمن ہوگئیں

اصلاح پردے پردے میں وہ زلفیں میری دشمن ہوگئیں
اُڑ کے اُن کے عارض روشن پہ چلمن ہوگئیں

اس اصلاح سے مطلع میں جو معنوی خوبیاں پیدا ہوگئیں وہ ارباب نظر سے مخفی نہیں۔ 'ضو' کے دونوں مصرعوں میں زلف کی تکرار اور پہلے مصرع میں "بوسہ" کا مذموم لفظ سب کی اصلاح ہوگئی اور لطف یہ کہ مفہوم وہی رہا۔ بلکہ ایک نازک معنی یہ پیدا ہوگئے کہ زلفیں جب اُڑ کر رخ روشن پر چلمن ہوگئیں تو ہم نظارۂ رخ روشن سے بھی محروم رہے —

ضو: یاد میں اُس بت کے روئے اس قدر ہم پھوٹ پھوٹ
پتلیاں آنکھوں کی دھودھا کر برہمن ہوگئیں

● یہ اِصلاحیں بھی حضرت عشرت لکھنوی نے مرحمت فرمائیں۔ اِن اِصلاحوں کا ذکر خود حضرت تسلیم مرحوم نے خواجہ عشرت سے فرمایا تھا۔ جن کو اُنہوں نے نوٹ کرلیا تھا —

اصلاح: یاد میں اُس بت کے روئیں اس قدر آنکھیں مری
پتلیاں دونوں نہا دھو کر برہمن ہوگئیں

چونکہ دوسرے مصرع میں پتلیوں کا ذکر تھا اس لئے اُستاد عدیم النظیر نے پہلے مصرع میں آنکھیں دکھائیں اور مصرع ثانی میں " دھو دھا کر " عوام کی زبان تھی۔ اُسے " نہا دھو کر " بنا کے شعر کو شستہ و صاف کردیا—

ضو: روتے روتے کوئی دم میں دیکھنا ڈوبیں گے ہم
اشک کی موجیں اُمنڈ کر تا بگردن ہوگئیں

اصلاح: روتے روتے عشق میں آخر کو جی ڈوبا مرا
اشک کی موجیں اُمنڈ کر تا بگردن ہوگئیں

پہلے مصرع میں جس خوش اسلوبی سے اُستاد نے "جی ڈوبا" کا محاورہ نظم کردیا اس سے شعر گوہر نایاب ہوگیا اور عشق کا لفظ بھی بڑھایا جس سے شعر میں روانی اور ترقی پیدا ہوگئی۔کیا اُستادانہ اصلاح دی کہ ردیف بھی ہاتھ سے نہ گئی—

ضو: قتل بھی مجکو کیا اور لوٹ بھی دل کو لیا
چتونیں قاتل بنیں اور آنکھیں رہزن ہو گئیں

اصلاح: قتل بھی مجکو کیا اور لوٹ بھی مجکو لیا
چتونیں قاتل بنیں اور آنکھیں رہزن ہو گئیں

پہلے مصرع میں بجائے " دل " کے "مجھ" بڑھایا۔ جس سے پہلے مصرع کے دونوں ٹکڑے برابر کے ہوگئے۔ اصل مصرع میں ایک جگھہ 'مجکو' ایک جگہ 'دل' کو بُرا تھا—

ضو: سوزش دل کا برا ہووے کہ مرنے پر بھی ضو
ہڈیاں جل جل کے سرمہ زیر مدفن ہوگئیں

اصلاح: کس غضب کی دل میں سوزش تھی کہ مرنے پر بھی ضو
ہڈیاں جل جل کے سرمہ زیر مدفن ہوگئیں

پہلے مصرع میں "برا ہووے" یہ ٹکڑا غیر فصیح تھا۔ اس لئے اُستاد نے

"کس غضب کی دل میں سوزش تھی" بنایا سوزش کے لئے غضب کا لفظ بڑھاکر شعر میں گرمی پیدا کردی۔ اصلاح سے شعر صاف ہوگیا —

ضو: میں کس طرح سے تیرے کوچے میں آؤں
که آکا تیرے نقش پا باندھتے ہیں

اصلاح: کوئی کس طرح تیرے کوچے میں آئے
که آکا تیرے نقش پا باندھتے ہیں

پہلے مصرع میں "سے" زاید تھا اس لئے "کوئی کس طرح تیرے کوچے میں آئے" یہ مصرع لکھدیا گیا اب شعر صحیح ہوگیا —

ضو: کوئی برق سمجھے ہے توسن کو اُن کے
مگر ہم تو اُس کو ہوا باندھتے ہیں

اصلاح: کوئی سیل سمجھا ہے توسن کو اُن کے
مگر ہم تو اُس کو ہوا باندھتے ہیں

پہلے مصرع میں بجائے "برق" کے "سیل" بنایا۔ کیونکہ "برق" ہوا سے سریع‌السیر ہے کتنی نازک اصلاح ہے —

ضو: جناب ذوق کیا اُٹھے جہاں سے
سخن کے باغ کا مرجھا گیا گل

اصلاح: جناب ذوق کیا اُٹھے جہاں سے
که مرجھایا سخن کے باغ کا گل

مصرعۂ ثانی میں تعقید تھی۔ اس لئے مصرع میں ذرا سی اُلٹ پھیر کردی گئی اور قافیہ بھی وہی رہا —

ضو: رات وقت وصل اُن سے چھیڑ کچھ ایسی ہوئی
که نگاہ اُٹھتی ہے ان کی آج شرمائی ہوئی

اصلاح : رات وقت وصل اُن سے چھیڑ کچھہ ایسی ہوئی
جو نگاہ اُٹھتی ہے ان کی ہے وہ شرمائی ہوئی

مصرعۂ ثانی میں بجائے "کہ" کے "جو" بنایا اور بجائے "آج" کے "ہے وہ" بناکر شعر میں صفائی پیدا کردی —

ضو : کوئی آفت آئے گی یہ تو کہے دیتا ہے رنگ
ہے اُداسی ہر در و دیوار پر چھائی ہوئی

اصلاح : کون اس گھر سے سدھارا ہے مثال شمع صبح
اک اُداسی ہے در و دیوار پر چھائی ہوئی

پہلا مصرع 'ضو' کا بالکل بے محل تھا - اس لئے پورا مصرع بدلا گیا۔ جس سے معشوق کی رخصت کا سین اور پھر شمع صبح سے اُسکی تشبیہہ۔ کتنی شاعرانہ نزاکتیں پیدا کردی گئیں۔ دوسرے مصرع میں بھی تصرف کیا گیا یعنی "ہے" کے بجائے "اک" اور "ہر" کے بجائے "ہے" بناکر شعر کو حسرت و یاس کا اک مرقع بنادیا —

ضو : میری حالت رحم کے قابل بوقت نزع تھی
پھر گئی کچھہ سوچ کر جو موت بھی آئی ہوئی

اصلاح : رحم کے قابل میری حالت تھی ایسی وقت نزع
پھرگئی بالیں سے مری موت بھی آئی ہوئی

پہلا مصرع بالکل ترمیم کیا گیا - دوسرے مصرع میں بھی تصرف کیا گیا جس سے شعر شعر ہوگیا۔ مصرعۂ اولی میں "ایسی" کا لفظ بنانے سے شعر کا صحیح مفہوم ادا ہوگیا - اگر "ایسی" کا لفظ نہ بنایا جاتا تو موت کا بالیں پر آکر پھر نا ناممکن تھا

ضو : ہلکی ہلکی بوے گل لانا نسیم
بار خاطر ہو نہ کم سن کے لئے

اصلاح : ہلکی ہلکی بوے گل لانا نسیم
مرے نازک طبع کم سن کے لئے

مصرعۂ ثانی 'ضو' کا اُلجھا ہوا تھا۔ "بار خاطر" کا ٹکڑا اُستاد کے طبع نازک پر گراں تھا۔ اس لئے "سوے نازک طبع" بنا کر شعر میں ایک خاص نزاکت پیدا کردی۔ اسی قافیہ میں حضرت کا بھی ایک شعر زبانوں پر ہے۔ ملاحظہ ہو —

امیر: باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنا ہیں ایک کم سن کے لئے

ضو: دختِ رز کا کچھ نہیں کھلتا ہے حال
ہے اُچھلتی جام میں کن کے لئے

اصلاح: دختِ رز کا کچھ نہیں کھلتا ہے حال
جام میں بے چین ہے کن کے لئے

دوسرے مصرع میں "ہے اچھلتی جام میں" کے بجائے "جام میں بے چین ہے" بناکر شعر کو فصیح کردیا۔ ہے اچھلتی کا ٹکڑا غیر فصیح تھا —

ضو: پھوٹی نظروں بھی نہیں وہ دیکھتے
مبتلائے غم ہے دل جن کے لئے

اصلاح: آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں وہ دیکھتے
مبتلائے غم ہے دل جن کے لئے

پہلے مصرع میں "پھوٹی نظروں" یہ ٹکڑا بے محل تھا۔ اس لئے "آنکھ اُٹھاکر" بنا دیا۔ اب شعر میں صفائی پیدا ہوگئی —

ضو: گرد غم کی یہ میرے دل پہ نہیں بیٹھ گئی
اک زمیں اُڑکے سر عرش بریں بیٹھ گئی

اصلاح: گرد غم اُڑکے میرے دل پہ نہیں بیٹھ گئی
اک زمیں اُٹھ کے سر عرش بریں بیٹھ گئی

پہلے مصرع میں بجائے "گرد غم کی یہ" کے "گرد غم اڑکے" بنایا کیونکہ "گرد" کے لئے اُڑنے ہی کی ضرورت تھی دوسرے مصرع میں بجائے "اک زمیں

اُڑکے" "اک زمیں اُٹھ کے" بنایا - کیونکہ زمیں اُڑ نہیں سکتی بلکہ اُٹھ سکتی ہے—

ضو . کیسے اچھی ہو غزل ٹھیک ہے ارشاد امیر
پست مضموں سے زیادہ یہ زمیں بیٹھ گئی

اصلاح : کیونکر اچھی ہو غزل ٹھیک ہے ارشاد امیر
پست مضموں سے زیادہ یہ زمیں بیٹھ گئی

پہلے مصرع میں "کیسے" بجائے "کیونکر" ناجائز ہے - اس لئے یہ لفظ ترمیم کیا گیا —

ضو : تاب لائی نہ اجل بھی مرے سوز دل کی
ایسا چکر اُسے آیا کہ وہیں بیٹھ گئی

اصلاح : تاب لائی نہ اجل پھرگئیں آنکھیں جو مری
ایسا چکر اُسے آیا کہ وہیں بیٹھ گئی

پہلے مصرع میں سوز دل کو چکر سے کوئی مناسبت نہ تھی اس لئے اُستاد کامل نے یہ ٹکڑا رکھدیا - "پھرگئیں آنکھیں جو مری" جس سے دوسرے مصرع سے پہلے مصرع کو ایک خاص ربط پیدا ہوگیا۔ اور شعر میں روانی اور سلاست بڑھ گئی—

ضو : اے ضو نہیں ہاتھوں کی حنا لے گئی دل کو
اک شوخ پری تھی کہ اُڑا لے گئی دل کو

اصلاح : ہاں ہاں نہیں ہاتھوں کی حنا لے گئی دل کو
اک شوخ پری تھی کہ اُڑا لے گئی دل کو

پہلے مصرع میں "اے ضو" کے بجائے "ہاں ہاں" بناکر لفظ "نہیں" کی مناسبت پیدا کردی - اس تکرار نے مطلع کو دل آویز کردیا - بندش چست ہوگئی' شعر عمدہ ہوگیا —

ضو: چتون نے لیا ہے کہ ادا لیگئی دل کو
یہ وہم غلط شرم وحیا لیگئی دل کو

اصلاح: جنوں نے لیا ہے کہ ادا لیگئی دل کو
یہ سب ہے غلط شرم و حیا لیگئی دل کو

پہلے مصرع میں جنون و ادا کا ذکر کیا گیا ہے اسلئے دوسرے مصرع میں " یہ وہم " کے بجائے " یہ سب ہے " بنا کر پہلے مصرع کا صحیح مفہوم ادا کرا دیا ۔ کیونکہ پہلے مصرع میں جنون و ادا دونوں کو اس الزام سے بری کرنا مد نظر تھا ۔ اور دوسرے مصرع میں شرم و حیا کو مورد الزام ٹھہرانا تھا ۔ اصلاح سے یہ معنی پیدا ہوئے —

ضو: اے حضرت ضو شکر گزاری کا ہے موقع
دنیا سے چھٹے یاد خدا لیگئی دل کو

اصلاح: اے حضرت دل شکر گزاری کا ہے موقع
دنیا سے چھٹا یاد خدا لیگئی دل کو

پہلے مصرع میں بجائے " ضو " کے " دل " سے خطاب کیا گیا ۔ کیونکہ قافیہ مصرعۂ ثانی میں دل ہی کا ہے اور دوسرے مصرع میں بجائے " چھٹے کے " چھٹا " بنایا کیونکہ " دل " کے لئے اسی لفظ کی ضرورت تھی —

ضو اپنے کو سمجھتے تھے جو اُستاد زمانہ
لاتے ہیں وہ اصلاح کو دیواں مرے آگے

اصلاح جو جانتے تھے آپ کو اُستاد زمانہ
لاتے ہیں وہ اصلاح کو دیواں مرے آگے

پہلے مصرع میں " اپنے کو سمجھتے تھے " اس ٹکڑے میں رکاکت تھی اس لئے " جو جانتے تھے آپ کو " بنا کر شعر کو فصیح کر دیا —

ضو: آنکھیں تری کرتی ہیں اشارہ مجھے اے مست
یا ناچ دکھاتی ہیں یہ پریاں مرے آگے

اصلاح : آنکھیں تری کرتی ھیں اشارے سر محفل
یا رقص میں سر گرم ھیں پریاں مرے آگے

اے سبحان اللہ دونوں مصرعوں میں ترمیم اس حسن سے کی گئی کہ مفہوم وھی رھا اور شعر میں روانی وسلاست پیدا ھو گئی رقص کے لئے سر محفل ھی کی ضرورت تھی - مصرعۂ ثانی میں ناچ دکھاتی ھوں - اس ٹکڑے میں کسقدر ثقالت تھی بجائے اُس کے " رقص میں سرگرم ھیں " میں کتنی فصاحت ھے - اصلاح اسی کا نام ھے—

ضو : اے ضو جو کہیں بزم سخن میں ھوں غزلخواں
ھو جائیں ابھی گنگ غزلخواں مرے آگے

اصلاح : اے ضو میں اگر بزم سخن میں ھوں غزلخواں
ھو جائیں ابھی گنگ غزلخواں مرے آگے

پہلے مصرع میں "جو کہیں" بجائے "میں اگر" بنا کر شعر میں صفائی پیدا کر دی*

حافظ محمود علی حفیظ جونپوری مرحوم :

بیٹھ جاتا ھوں جہاں چھاؤں گھنی ھوتی ھے
کچھہ عجب چیز غریب الوطنی ھوتی ھے

---

* محبی جناب وصل بلگرامی ایڈیٹر " مرقع " کے دفتر میں حضرت ضو کی بیاض تھی - جس پر منشی صاحب کے قلم کی اصلاحیں تھیں - ایک روز حضرت وصل کی عدم موجودگی میں وہ بیاض میری نظر سے گزری میں نے ایک بار اُسے شروع سے آخر تک پڑھا - پھر دوبارہ اسکی نقل کی - میں نقل کر چکا تھا کہ جناب وصل و لسان الملک حضرت ریاض آگئے - وصل نے مجھہ سے کہا کہ آپ نے میری عدم موجودگی میں یہ اصلاحیں کیوں نقل کر لیں - میں نے کہا کہ مدت سے آپ وعدہ فرما تے رہے آج بیاض مجھے مل گئی میں نے نقل کر لیا - اس پر کہنے لگے تاھم میرے اجازت کی ضرورت تھی - مجھے یہ فقرہ گراں گزرا" میں نے وہ نقل شدہ کاغذ پرزے پرزے کر کے وھیں پھینک دیا اور گھر پر آکر ذھن پر زور دیا اور جو اصلاحیں یاد آئیں اُن کو لکھہ لیا—

اصلاح : بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

یہ مطلع حفیظ مرحوم کے دونوں دیوانوں میں سرمایۂ ناز ہے اور دنیا ے شاعری میں نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اُستاد عدیم النظیر نے مصرعۂ ثانی میں " کچھ عجب چیز " کے بجاے " ہاے کیا چیز " بنا کر تیزاب آب زر سے بنا کر یہ الفاظ تحریر فرمائے کہ اگر میں بھی فکر کرتا تو یہی کہتا - دیکھئے ایک ہاے نے کیا قیامت ڈھائی کہ اب اس زمین میں ایسا حسرت انگیز وعبرت خیز درد میں ڈوبا ہوا مطلع ہونا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

حفیظ : دن کو اک نور برستا ہے مری تربت پر
شب کو اک چادر مہتاب تنی ہوتی ہے

اصلاح : دن کو اک نور برستا ہے مری تربت پر
رات کو چادر مہتاب تنی ہوتی ہے

مصرعۂ ثانی میں بجاے " شب کو اک " کے " رات کو " بنا یا - کیونکہ " اک " مصرعۂ ثانی میں زاید تھا اور پہلے مصرع میں دن کی مناسبت سے رات ہی کا لفظ خوب ہوا —

حفیظ : پی لو دو گھونٹ کہ ساقی کی رہے بات حفیظ
ورنہ انکار سے خاطر شکنی ہوتی ہے

اصلاح : پی لو دو گھونٹ کہ ساقی کی رہے بات حفیظ
صاف انکار سے خاطر شکنی ہوتی ہے

دوسرے مصرع میں بجاے " ورنہ " کے " صاف " بنا کر شعر میں اور صفائی پیدا کر دی —

حفیظ : داور حشر سے انصاف طلب ہے کوئی
یہ ندامت ہے کہ انگشت بلب ہے کوئی

اصلاح: داور حشر سے انصاف طلب ہے کوئی
سر جھکائے ہوئے انگشت بلب ہے کوئی

مصرعۂ ثانی میں "یہ ندامت ہے کہ" کے بجائے "سر جھکائے ہوئے" بنایا۔ اصلاح کیا دی شرمندگی و ندامت کی تصویر کھینچ دی۔ صنعت ایہام سے مطلع کو مزین کر دیا—

حفیظ: آسماں میں بھی تو نالوں سے ہلا سکتا ہوں
یہ جو خاموش ہوں اس کا بھی سبب ہے کوئی

اصلاح: آسماں آج تو نالوں سے ہلا سکتا ہوں
میں جو خاموش ہوں اس کا بھی سبب ہے کوئی

اُستاد نے پہلے مصرع میں "آج" کا لفظ کیا رکھدیا بلاغت زبان کا سکہ بٹھا دیا اور دوسرے مصرع میں بجائے "یہ" کے "میں" بنا دیا۔ اصلاح سے شعر میں معنوی خوبیاں کس درجہ ترقی کر گئیں—

حفیظ: رونے آے ہو کہ ہنسنے کو مری میت پر
بزم ماتم ہے کہ یہ بزم طرب ہے کوئی

اصلاح: رونے آے ہو کہ ہنسنے کو مرے پھولوں میں
بزم ماتم ہے کہ یہ بزم طرب ہے کوئی

پہلے مصرع میں بجائے "میری میت پر" کے "مرے پھولوں میں" بنایا۔ ہنسنے کی رعایت سے "پھولوں" کا لفظ خوب ہے اب یہی ٹکڑا یعنی "مرے پھولوں میں" شعر کی جان ہوگیا—

حفیظ: کرتے ہو تم مرے مرنے کی دعائیں ہروقت
تم سے بڑھ کر بھی مرا خیر طلب ہے کوئی

اصلاح: کوستے رہتے ہو مرنے کی دعا کرتے ہو
تم سے بڑھ کر بھی مرا خیر طلب ہے کوئی

پہلے مصرع کی ترمیم سے یہ شعر زبان کے سانچے میں ڈھل کر بے مثل ہوگیا اس نادر اصلاح سے پہلے مصرع کو دوسرے مصرع سے کس قدر ربط پیدا ہوگیا۔—

——(حکیم سید ضامن علی 'جلال' لکھنوی)——

محمد احسان علی خاں 'احسان' شاہجہانپوری:

نزع کا وقت ہے جدا کیوں ہو
ہم تو مرتے ہیں تم خفا کیوں ہو

اصلاح: نزع کے وقت بھی جدا کیوں ہو
ہم تو مرتے ہیں تم خفا کیوں ہو

پہلے مصرع میں ایک ادنیٰ ترمیم سے مطلع میں معنوی خوبیاں کس قدر ترقی کر گئیں اور "بھی" کا لفظ اُستادانہ رکھدیا۔ مطلب یہ کہ عمر بھر تم ہم سے جدا رہے، اب نزع کے وقت بھی جدا کیوں ہو—

احسان: آہ کھینچوں کا میں وہ ظلم کریں
میری جانب سے ابتدا کیوں ہو

اصلاح: آہ کھینچوں نا تم ستم تو کرو
میری جانب سے ابتدا کیوں ہو

● خدا بخشے حمید مرحوم سے میرے تعلقات بہت بڑھے ہوئے تھے۔ جونپور میں برسوں یکجائی رہی۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں کوئی بارہ سال کے بعد "گیا" کے مشاعرے میں ملاقات ہوئی، تو میں نے پہچانا ہی نہیں۔ وضع و قطع بالکل بدلی ہوئی تھی۔ خود ہی مرحوم نے مجھے پہچان کر مجھ سے خیریت پوچھی۔ آواز سے میں نے پہچانا۔ دو روز تک بڑے لطف کی باتیں رہیں۔ اس وقت کی اُن کی حالت نا گفتہ بہ تھی۔ مجھے مرحوم کی حالت پر بے حد تاسف ہوا۔ اسی سلسلۂ گفتگو میں مرحوم کو جو چند اصلاحیں یاد تھیں اُن کو میں نے سن کر پنسل سے نوٹ کر لیا۔ مشاطۂ سخن حصۂ اول کے اشاعت کے وقت وہ کاغذ جس میں اصلاحیں درج تھیں، تلاش سے بھی نہ ملا۔ بعد چھپنے حصۂ اول کے وہ کاغذ ایک کتاب میں رکھا ہوا مل گیا۔ اب حصۂ دوم کی زینت و زینت اِن اصلاحوں سے کی جاتی ہے—

پہلے مصرع کی ترمیم سے لطف زبان بڑھ گیا - "تم ستم تو کرو" اسی ٹکڑے کی ضرورت تھی جس سے بندش میں چستی اور مصرع میں روانی پیدا ہوگئی —

احسان: مجھ سے یہ کہہ رہی ہے مری آرزوے وصل
وہ بت ہے لا جواب کروگے سوال کیا

اصلاح: مجھ سے یہ پوچھتی ہے مری آرزوے وصل
وہ بت ہے لاجواب کروگے سوال کیا

پہلے مصرع میں بجاے "کہہ رہی ہے" کے "پوچھتی ہے" دونوں کا معنوی فرق ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں —

احسان: ٹوٹے پڑے ہیں شیشہ و ساغر اِدھر اُدھر
میخانے میں چلے ہیں وہ مستانہ چال کیا

اصلاح: ٹوٹے پڑے ہیں شیشہ و ساغر اِدھر اُدھر
میخانے میں وہ چل گئے مستانہ چال کیا

دوسرے مصرع میں بجاے "چلے ہیں وہ" کے "وہ چل گئے" بنایا - ایک لفظ کی ترمیم سے زمانہ کا کتنا فرق پڑ گیا اصلاح کے دیکھنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ محل "چلے ہیں وہ" کا نہ تھا، اُستادانہ اصلاح ہے —

احسان: تم ہم بغل تو ہو متوجہ نہیں مگر
آئے ہو لیکے ساتھ کسی کا خیال کیا

اصلاح: تم ہم بغل تو ہو متوجہ نہیں مگر
آئے ہو ساتھ لیکے عدو کا خیال کیا

دوسرے مصرع میں جناب 'احسان' نے پردے پردے میں کہا تھا مگر حضرت 'جلال' نے اُسے صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا خاکسار مؤلف کی راے ناقص میں

تخصیص سے تعمیم میں زیادہ لطف ہے۔ —

———(فصیح الملک نواب مرزا خاں 'داغ' دہلوی)———

نواب ناظم علی خاں 'ہجر' شاہجہانپوری

اے حسن یار تیری ذرا بھی خطا نہیں
میں حسن اتفاق سے دیوانہ ہو گیا

اصلاح: ہاں ہاں تمہارے حسن کی کوئی خطا نہیں
میں حسن اتفاق سے دیوانہ ہو گیا

حضرت داغ نے ایک ذرا سی ترمیم میں اس شعر کو زبان کے سانچے میں ڈھال دیا۔ "ہاں ہاں" کے ٹکڑے نے اس شعر کو کیا سے کیا کر دیا۔ سعلی کا لطف، مصرع کی برجستگی، بندش کی چستی، معشوق کا جواب الجواب۔ ان سب خوبیوں کے علاوہ داغ مرحوم کے کلام سے اتنا ملتا جلتا ہے کہ اگر مہتاب داغ میں لکھدیا جائے تو یہ امتیاز نہیں ہو سکتا کہ یہ 'ہجر' کا شعر ہے۔ سبحان اللہ کیا بے نظیر اصلاح دی۔

ہجر: سمجھے ہوئے ہیں پی کے وہ ساغر کو آئینہ
منہ اپنا دیکھتے ہیں وہ جام شراب میں

اصلاح: رنگ شراب حسن کا آئینہ بن گیا
منہ اپنا دیکھتے ہیں وہ جام شراب میں

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر واقعی حسن کا آئینہ بن گیا۔ دوسرا مصرع اسی مصرع کا محتاج تھا اُستاد نے کتنا نازک مصرع لگا دیا۔ ہجر کے پہلے مصرع میں ساغر اور دوسرے مصرع میں جام اچھا نہ تھا اور دونوں

● یہ اصلاحیں سید تصدق حسین 'قرار' شاہجہانپوری مرحوم نے مجھے دی تھیں اور بھی وعدہ فرمایا تھا مگر افسوس کہ اُنھیں کا وعدہ وفا ہو گیا۔ خدا بخشے اور کیا کہوں۔۔

مصرعوں میں " وہ " کی تکرار مخل فصاحت تھی - اصلاح سے یہ عیوب مٹ گئے۔
اور شعر میں جو خاص رنگ پیدا ہوگیا اُسے میکسا راں میخانۂ ادب ہی خوب
سمجھ سکتے ہیں، اللہ کیا مصرع ہے :—

رنگ شراب حسن کا آئینہ بن گیا

واقعی اصلاح اِسی کا نام ہے٭ —

———(منشی امیراللہ 'تسلیم' لکھنوی)———

قاضی محمد نعیم الحق 'آزاد' شیخپوری :—

آزاد: بے خود ہیں خضر گیسووں والوں کے سامنے
لہرا گئے مسیح بھی کالوں کے سامنے

یہ نوٹ تحریر فرماکر مطلع کو قلمزد فرمایا " خضر و مسیح کو گیسو
اور کالے سے کیا مناسبت " —

آزاد : جس دم سے تو چلا ہے غزالوں کے سامنے
بھولے وہ چوکڑی تری چالوں کے سامنے

اصلاح: چلتا ہے جس گھڑی تو غزالوں کے سامنے
کھاتے ہیں ٹھوکریں تری چالوں کے سامنے

آزاد کا پہلا مصرع کچھ نہ تھا، دوسرے مصرع کی روش گو اچھی تھی
مگر اُستاد نے پہلے مصرع کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں بھی ترمیم کردی -
جس سے مطلع میں صفائی پیدا ہوگئی - جیسا مطلع تھا ویسی ہی اصلاح
بھی ہوئی —

٭یہ اصلاحیں خود جناب 'ہجر' مرحوم نے مشاعرۂ سندیلہ میں مجھے مرحمت فرمائیں
تھیں - مجھے افسوس ہے کہ اس حصے میں باوجود اس کے کہ صدہا 'داغ' مرحوم
کے تلامذہ ابھی موجود ہیں اور میں نے اکثر حضرات کو خطوط لکھے مگر سب نے
بخل فرمایا - بعض حضرات نے تو جواب تک مجھے نہیں دیا صرف بےخود دہلوی کا
جواب آیا کہ میں سخت علیل ہوں -

آزاد: گُل کا ہے رنگ اُڑا ہوا گالوں کے سامنے
موج نسیم پیچ ہے بالوں کے سامنے

اصلاح: گُل کا ہے رنگ اُڑا ہوا گالوں کے سامنے
سنبل ہے پیچ و تاب میں بالوں کے سامنے

مصرع ثانی میں " موج نسیم پیچ ہے " یہ ٹکڑا اُلجھا ہوا تھا۔ اس لئے اُستاد نے " سنبل ہے پیچ و تاب میں " بناکر مطلع کو سلجھادیا ––

آزاد: دوڑاتے ہیں نگاہیں مرے آبلوں کے سمت
یا برچھیاں ہلاتے ہیں ڈھالوں کے سامنے

اصلاح: جاتے ہیں بےخطر ترے مژگاں کے روبرو
سینہ سپر ہم آج ہیں بھالوں کے سامنے

آزاد کے دونوں مصرعے تبد شاعری سے آزاد تھے۔ اس لئے اُستاد نے الگ کر کے دوسرا شعر کہہ دیا ––

آزاد: خجلت چھپ کے بیٹھی قیامت ہے آج میں
اری نہیں ہے چوٹیو والوں کے سامنے

اصلاح: گلشن میں وہ بہار وہ رنگ چمن کہاں
اُڑتی ہے خاک خشک نہالوں کے سامنے

اُستاد ' تسلیم ' نے دوسرا شعر اس شعر کے نیچے لکھکر یہ مزیدار نوٹ لکھدیا " قیامت کو چوٹی سے کیا علاقہ ہے" ––

آزاد: نشیلی آنکھہ نہیں پھیر لیں دکھا کے مجھے
اُلٹ کے رکھدئیے دو جام سے پلا کے مجھے

اصلاح: وہ آنکھیں قہر بھری کیا گئے دکھا کے مجھے
پیالے زہر کے چلتے ہوے پلا کے مجھے

آزاد کے مصرع ثانی میں تعقید تھی اس لئے دوسرے مصرع کی مناسبت

سے پہلا مصرع بھی ترمیم کیا گیا - اصلاح سے مطلع روشن ہوگیا - آنکھوں کی رعایت سے مصرعۂ ثانی میں "چلتے ہوئے" کا ٹکڑا بھی خوب بنایا —

آزاد: چلے گئے خم کاکل وہ کیا دکھا کے مجھے
اسیر کر دیا دام بلا میں لا کے مجھے

اصلاح: چلے گئے خم زلف رسا دکھا کے مجھے
اسیر کر گئے دام بلا میں لا کے مجھے

پہلے مصرع میں "وہ کیا" حشو تھا اس لئے بجائے "خم زلف رسا" بناکر مصرع کو سلجھا دیا، چونکہ پہلے مصرع میں "چلے گئے" کا ٹکڑا ہے اس لئے دوسرے مصرع میں "کر گئے" بنا دیا جس سے مطلع میں صفائی پیدا ہو گئی—

آزاد: زمیں پہ کھینچ کے نقشہ سرا مٹاتے ہیں
یہ اُن کا کھیل ہوا خاک میں ملا کے مجھے

اصلاح: زمیں پہ کھینچ کے نقشہ سرا مٹاتے ہیں
یہ کھیل کھیلتے ہیں خاک میں ملا کے مجھے

چونکہ پہلے مصرع میں زمانہ حال تھا اس لئے دوسرے مصرع میں "یہ کھیل کھیلتے ہیں" بناکر دونوں مصرعے برابر کے کردئیے —

آزاد: بتا یا گردش لیل و نہار کا نقشہ
اُنھوں نے آنکھوں کی گردش دکھا دکھا کے مجھے

اصلاح: برنگ سرمہ شب روز دھر میں پیسا
اُنہوں نے آنکھوں کی گردش دکھا دکھا کے مجھے

پہلا مصرع ترمیم فرماکر یہ نوٹ لکھدیا - نقشہ 'دکھانا' محاورہ ہے 'بتانا' نہیں ہے —

آزاد: کسی کا ہاے وہ کہنا سرا پیٹے وہ لہو
جو چھیڑ چھاڑ کرے اب اکیلا پاکے مجھے

اصلاح: کسی کا ہاے وہ کہنا پھر کہو میرا
جو چھیڑ چھاڑ کرو تم اکیلا پا کے مجھے

دونوں مصرعوں کی ترمیم سے شعر میں سلاست و روانی کے علاوہ لطف زبان پیدا ہوگیا —

آزاد. وہ کہہ رہے ہیں خدا اُس پہ تو گرا بجلی
بڑی نگاہ سے جو سوت سرے تاکے مجھے

اصلاح: وہ کہہ رہے ہیں خدا اس پہ ہو بھلا نہ کہیں
بڑی نگاہ سے بیٹھا ہوا جو تاکے مجھے

مصرعۂ ثانی میں "جو سوت سرے" یہ ٹکڑا زبان اور محاورے کے خلاف تھا۔ اس لئے ہٹادیا اس کے "بیٹھا ہوا" بنادیا۔ اور پہلے مصرع میں "اس پہ تو گرا بجلی" اس ٹکڑے میں بھی رکاکت تھی اس لئے اس کو بھی قلم زد کر کے "ہو بھلا نہ کہیں" بناکر شعر کو زبان کے سانچے میں ڈھال دیا۔ •

خط
حضرت تسلیم مرحوم کا
بنام
آزاد پنھوری

۱۴ جون سنہ ۱۸۹۳ء

عنایت فرمائے بندہ زاد لطفکم۔

تسلیم۔ آپ کا عنایت نامہ آیا۔ حسب ایمائے دونوں غزلوں کو بہ تعمیل ارشاد دیکھا۔ ہر چند اس بارے اب میں معذور ہوں۔ انکار نہ کرسکا۔ وہ عذر میرا یہ

• یہ اصلاحیں بھی سید مقبول حسین وصل بلگرامی سے ملیں۔ ان اصلاحات کے ساتھ ہم حضرت تسلیم مرحوم کا ایک خط بھی درج کرتے ہیں جس سے اُن کی پیرانہ سالی اور دوامی عوارض کا پتہ چلتا ہے —

ہے کہ اب میرا دماغ صحیح نہیں رہا اور عوارض نے دیوانہ بنایا - شعر و شاعری کے قابل نہیں - اس وجہ سے خدمت سے بھی علیحدہ کردیا گیا اور پنشن مقرر ہوگئی بہ مجبوری یہاں پڑا ہوں —

اس طرح میں اکثر اُستادوں کی غزلیں ہیں - مثل جناب منشی امیر احمد صاحب و نیز مغفور نواب مرزا صاحب اس وقت میرے پاس کوئی دیوان موجود نہیں - اگر آپ کے پاس ہو تو دیکھہ لیجئیے گا - کہیں توارد نہ ہوگیا ہو اور تاریخ مثنوی بعد اس کے حاضر کروں گا —

---- (تسلیم) ----

نواب فصاحت جنگ جلیل القدر جناب جلیل جانشین امیر مینائی

مؤلف : تربت پہ وہ جو آئے تو عالم نیا ہوا
کنول اُٹھے پھول سبزۂ تربت ہرا ہوا

● حضرت 'تسلیم' مرحوم کا انتقال سنہ ۱۹۱۱ ع میں ہوا - بلبل 'تسلیم' حضرت 'صبر' رام پوری کی فرمایش سے خاکسار مؤلف نے ایک قطعہ تاریخ وفات کہا تھا - جسے ''حیات تسلیم'' میں جناب حسرت موہانی ارشد تلامذہ حضرت تسلیم نے ایک نوٹ کے ساتھہ شایع فرمایا تھا - چونکہ ان کا وہ نوٹ میری تعریف میں ہے اس لئے اپنے قلم سے اس کا لکھنا مناسب نہیں سمجھتا - حضرت 'صبر' رام پوری کے علاوہ خان بہادر میر ناصر علی ایڈیٹر 'صلاے عام' دھلی نے بھی اس قطعۂ تاریخ کی مجھے داد دی تھی - ہم وہ قطعۂ تاریخ ناظرین "مشاطہ سخن'' کی تفریح طبع کے لئے درج کئے دیتے ہیں - ملاحظہ ہو :

قطعۂ تاریخ وفات

تسلیم کے فراق کا صدمہ کسے نہیں — تربت پہ کون آکے نہیں نوحہ گر ہوا
چادر چڑھالی پھولوں کی روکر 'نسیم' نے — 'حسرت' کے ساتھہ ابر سیہ چشم تر ہوا
بے چین ہوکے بلبل تسلیم 'صبر' بھی — بیٹھا جو دل کو تھام کے ٹکڑے جگر ہوا
اردو ہے شکوہ سنج کہ میں آج لٹ گئی — کہتی ہے شاعری مرا برباد گھر ہوا

تاریخ انتقال کی صفدر نے یہ کہی
ہے ہے زباں کا خاتمہ تسلیم پر ہوا

سنہ ۱۹۱۱ ع

نسخہ: تربت پہ وہ جو آے تو عالم نیا ہوا
پھولوں میں جان پڑگئی سبزہ ہرا ہوا

مطلع یوں بھی صحیح تھا۔ اس لئے اُستاد نے نسخہ لکھ کے دوسرا مصرع لکھدیا۔ چونکہ دونوں مصرعوں میں تربت کی تکرار تھی۔ اس لئے دیوان میں اُستاد ہی کے مصرع کو لکھکر ترجیح دی گئی —

مؤلف: رنگ چمن نہ پوچھئے ساقی کے ھجر میں
ھر جام گل ھے خون سے میرے بھرا ہوا

اصلاح: رنگ چمن نہ پوچھئے ساقی کے ھجر میں
ھر جام گل ھے خون جگر سے بھرا ہوا

چونکہ مصرعۂ ثانی میں خون کی صراحت نہ تھی۔ خون تو جسم کے ھر اعضا میں ھوتا ھے اس لئے اُستاد نے "خون جگر" بناکر شعر کو رنگین کردیا کیونکہ ساقی کے ھجر میں جگر ھی کا خون ھونا اچھا تھا —

مؤلف: تم نے دیا تھا داغ جو اے مہرباں مجھے
وہ آج تک ھے میرے جگر سے لگا ہوا

اصلاح: تم نے دیا تھا داغ جو اے مہرباں کبھی
وہ آج تک ھے میرے جگر سے لگا ہوا

پہلے مصرع میں بجائے "مجھے" کے "کبھی" بنایا جس سے شعر میں ترقی ھوگئی

مؤلف: حصے میں وہ بھی آگئے سیماب و برق کے
جو اضطراب تھا مرے دل سے بچا ہوا

اصلاح: حصے میں آگئے وھی سیماب و برق کے
جو اضطراب تھا مرے دل سے بچا ہو

پہلے مصرے میں "بھی" کا ثبوت قوی نہ تھا اس لئے "وھی" بناکر شعر کو نازک اور لطیف بنا دیا —

مؤلف : شکوہ کرینگے خنجر قاتل کا بخیہ گر
رہنے دے زخم دل کا ابھی منہ کھلا ہوا

اصلاح : کرتا ہے شکر خنجر قاتل کا بخیہ گر
رہنے دے زخم دل کا ابھی منہ کھلا ہوا

اُستاد نے عدیل پہلے مصرع میں بجائے " شکوہ " کے "شکر" بنایا کیونکہ شکوہ معشوق شان عاشقی کے خلاف تھا۔ معبوب کے ہر ظلم و ستم پر شکر ہی کرنا مشربہ عاشقی کی شان ہے۔ اُستادانہ اصلاح ہے —

مؤلف. آ کے نکالے وہ مرے دل کی حسرتیں
آ اُجاڑ نے وہ میرا گھر بسا ہوا

اصلاح : آ کے نکالے وہ مرے دل کی حسرتیں
آ اُجاڑ نے کو میرا گھر بسا ہوا

دونوں مصرعوں میں " وہ " کی تکرار ذرا بد نما تھی اس لئے مصرعۂ ثانی میں " کو " بنا کر شعر کو اور فصیح کر دیا—

منشی غلام حسین' آفاق' بنارسی:

گل میں ہو بلبل میں الفت شان تری ہے جلوا تیرا

اصلاح : گل میں ہو بلبل میں الفت ہے یہ ایک کرشما تیرا

مصرعۂ ثانی کی ترمیم سے شعر میں ایک نزاکت پیدا ہو گئی۔ جس کا ایک کرشما یہ ہو اسکی شان اور جلوا کیا ہو گا—

آفاق : کسکا کسکا نام بتاؤں سب کو تو ہے سودا تیرا

اصلاح . کس کس کا میں نام بتاؤں سب کو تو ہے سودا تیرا

پہلے مصرع میں " کسکا کسکا " اچھا نہ تھا۔ اس لئے "کس کس کا " بنایا اور ایک لفظ " میں " اور بڑھا کر دوسرے مصرع کا شہرت قوی کر دیا —

آفاق : توبہ توبہ یہ ممکن ہے اب تک آئے شکوا تیرا

اصلاح : توبہ توبہ کیا ممکن ہے لب تک آئے شکوا تیرا

پہلے مصرع میں "کیا" نے کیا کیا معنی پیدا کر دئیے" یہ" م
یہ بات کہاں تھی —

آفاق . حو ہو ہر سوئے تن مرا زباں اے صانع عالم
نہ جب بھی بیاں وصف ایک ذرہ تری صنعت کا

اصلاح : اگر ہر سوئے تن میرا زباں ہو صانع عالم
نہ جب بھی بیاں وصف ایک ذرہ تری صنعت کا

پہلے مصرع میں بجائے " جو ہو " کے " اگر " اور بجائے "اے" کے " ہو " بذا
شعر کو صیح کردیا —

آفاق : کسیکو قیامت کا تڑ پا رہا ہے وہ صبح شب وصل جانا کسیکا

اصلاح : قیامت میری جان پر ڈھا رہا ہے وہ صبح شب وصل جانا کسیکا

پہلے مصرع میں " قیامت کا تڑ پا رہا ہے " غیر فصیح تھا اس
پورا مصرع ترمیم کر کے شعر کو فصیح کر دیا —

آفاق : ہائے وہ پیار کی بات اُن کی وہ بھو لی صورت
بھولتی ہی نہیں آفاق بھلائیں کیونکر

اصلاح : ہائے وہ پیار کی آنکھ اُن کی وہ بھولی صورت
بھولتی ہی نہیں آفاق بھلائیں کیونکر

پہلے مصرع میں " بات " کچھ نہ تھی " آنکھ" سحر سامری بن گ
اصلاح نہیں اعجاز ہے —

آفاق : ساقی نہ ایک دن ہوئی مے سے زباں تر
ہم آکے میکدے سے ترے چشم تر گئے

اصلاح : ساقی نہ ایک دن بھی ہوا مے سے حلق تر
ہم آکے میکدے سے ترے چشم تر گئے

پہلے مصرع میں " زبان تر " کے بجائے " حلق تر " بنایا کیونکہ محاورہ یہی ہے یہ محل " زبان کا تر " کا نہیں تھا ۔

———(لسان الملک حضرت 'ریاض')———

نواب غلام حسین 'قمر' تعلقہ‌دار گنیش پور ضلع بستی:

حمد خالق سے تر و تازہ ہے ایماں میرا
مطلع نور بنا مطلع دیواں میرا

اصلاح:
حمد خالق سے 'قمر' تازہ ہے ایماں میرا
مطلع نور بنا مطلع دیواں میرا

پہلے مصرع میں بجائے "ترو" کے "قمر" بنا کر مطلع کو اور روشن کر دیا اب واقعی مطلع مطلع نور ہو گیا ۔

بابو مہادیو پرشاد شوق لکھنوی:

سحر عید ہے اٹھ ہوش میں آ کھول بھی دے
ساقیا بند ابھی تک در میخانہ ہے

اصلاح:
سحر عید ہے اٹھ ہوش میں آ آنکھ تو کھول
ساقیا بند ابھی تک در میخانہ ہے

سبحان‌اللہ کیا اصلاح دی "کھول بھی دے" ایک ذم کا پہلو بھی تھا جس کو کامل الفن استاد نے کس حسن سے نکالا اور "آنکھ تو کھول" اس جواہر نگار ٹکڑے نے ایک اور در میخانہ بنا دیا جس کی داد اہل نظر جس قدر دیں کم ہے ۔ ایسی اصلاح ایسے ہی کہنہ مشق استاد دے سکتے ہیں جسے دیکھکر میگساران میخانۂ ادب بے پیئے مست ہو جاتے ہیں ۔

● یہ اصلاحیں خود جناب 'آفاق' نے اپنے دیوان شہرۂ آفاق کے ساتھ مرحمت فرمائیں دونوں کا شکریہ ۔

مؤلف:

حسن کی شان ہے مسکے ہوے دامن کا رفو
وضع دیوانوں کی ہے چاک گریباں ہونا

اصلاح:

دھج حسینوں کی ہے مسکے ہوے دامن کا رفو
وضع دیوانوں کی ہے چاک گریباں ہونا

چونکہ دوسرے مصرع میں "وضع دیوانوں" کی ہے اس لئے اُستاد کامل نے پہلے مصرع میں بھی دھج حسینوں کی دکھائی - اب دونوں مصرعے برابر کے ہوگئے اور تقابل بھی ٹھیک رہا۔

مؤلف

تو بھی اے دل ہدف ناوک جاناں ہونا
ہم سکھا دیں تجھے سو جان سے قرباں ہونا

اصلاح

بڑھ کے اے دل ہدف ناوک جاناں ہونا
ہم سکھا دیں تجھے سو جان سے قرباں ہونا

پہلے مصرع میں "تو بھی" کے بجاے "بڑھ کے" بنا دیا - جس سے مطلع میں کتنی ترقی ہو گئی دل کے لئے "بڑھ کے" کیا خوب بنایا - اصلاح کے معنی یہی ہیں کہ کوئی بات شعر میں رہ نہ جاے—

مؤلف

تمہاری بزم رنگیں سے اسے نسبت نہیں کوئی
وہ محشر ہی سہی یہ حسن محفل ہو نہیں سکتا

اصلاح

کسی کی بزم رنگیں سے اسے نسبت نہیں صفدر
وہ محشر ہی سہی یہ حسن محفل ہو نہیں سکتا

پہلے مصرع میں دو لفظ ترمیم کئے گئے- "تمہاری" کے بجاے "کسی کی" بنایا- اب یہ ایک لفظ ساری دنیا پر حاوی ہو گیا اور "کوئی" کو قلمزد فرما کے "صفدر" لکھدیا جس سے شعر میں کتنی ترقی ہو گئی—

مؤلف:

چھوٹی سی رات میں یہ وصل کا ساماں دیکھا
کہ تمہیں زلف سے کچھ بڑھ کے پریشاں دیکھا

اصلاح : چھوٹی سی رات میں کیا وصل کا ساماں دیکھا
که تمھیں زلف سے کچھه بڑھ کے پریشاں دیکھا

پہلے مصرع میں بجاے "یہ" کے "کیا" بنایا اس "کیا" نے کیا کیا معنی پیدا کر دئیے اور سب سے لطیف معنی اس "کیا" کے یہ هوے که کچھه بھی نہیں وصل کا ساماں دیکھا - واقعی اصلاح اسی کا نام ھے—

مؤلف : پھر گئی آنکھوں میں یاران گذشته کی شبیه
جی بھر آیا جو سوے گور غریباں دیکھا

اصلاح : پھر گئی آنکھوں میں بچھڑے هوے یاروں کی شبیه
جی بھر آیا جو سوے گور غریباں دیکھا

سبحان‌الله کیا اصلاح دی - صرف ایک " بچھڑے هوے" کے ٹکڑے نے شعر میں درد و اثر پیدا کر دیا —

مؤلف : یه حسن و عشق کی نیرنگیاں هیں آپ کیا جانیں
لئے رنگ رخ یوسف زلیخا کا شباب آیا

اصلاح : یه حسن و عشق کی نیرنگیاں هیں کوئی کیا جانے
لئے رنگ رخ یوسف زلیخا کا شباب آیا

پہلے مصرع میں " آپ کیا جانیں" کے بجاے " کوئی کیا جانے" اس موقع پر تخصیص سے تعمیم میں زیادہ لطف ھے—

مؤلف : اُٹھایا تھا قلم پھر یه سمجھه کر رکھدیا میں نے
اُنھیں کیا خط لکھوں میرے کسی خط کا جواب آیا

اصلاح : اُٹھایا تھا قلم میں نے یه کہه کر رکھدیا آخر
اُنھیں کیا خط لکھوں میرے کسی خط کا جواب آیا

پہلے مصرع میں "یه سمجھه کر" یه ٹکڑا اچھا نه تھا اس لئے اُستاد نے "یه کہکر" بنا کر آخر میں آخر کا لفظ بھی رکھدیا - اس اصلاح سے صرف عیوب شعر

ھی نہیں رفع ہوے بلکہ یہ شعر اب ضرب المثل ہو گیا اکثر دوستوں کے زبانوں پر ھے--

مؤلف: مرا ذمہ جو کوئی رات ان کی خیر سے گزرے
حسینوں کے ستانے کو حسینوں کا شباب آیا

اصلاح مرا ذمہ جو کوئی رات ان کی چین سے گزرے
حسینوں کے ستانے کو حسینوں کا شباب آیا

پہلے مصرع میں یہ بدل " خیر سے " کا نہ تھا " چین سے " بنایا۔ کتنی نازک اصلاح ھے۔

مؤلف: مزے غیروں ھی نے لوٹے ھیں چشم مست ساقی کے
کسی کی بزم میں مجھ تک کہاں جام شراب آیا

اصلاح: رھی غیروں کی جانب آج گردش چشم ساقی کی
کسی کی بزم میں مجھ تک کہاں جام شراب آیا

جام شراب کی مناسبت سے گردش چشم ساقی کی ضرورت تھی اس لئے مصرعہ اولیٰ ترمیم کیا گیا -

مؤلف: قیامت میں بھی گھوڑے پر ھوا کے تم سوار آئے
کہاں تک فتنۂ محشر تمہارے ھمرکاب آیا

اصلاح قیامت میں بھی تم آئے اُسی انداز سے توبہ
کہاں تک فتنۂ محشر تمہارے ھمرکاب آیا

مصرعۂ اولیٰ کی ترمیم سے یہ شعر زبان کے سانچے میں ڈھل گیا۔ " تم آئے اُسی انداز سے توبہ " یہ ٹکڑا قیامت ھے --

مؤلف: جو پھول لاے تھے وہ لیچلے رقیب کے گھر
ھجوم کیوں سر تربت ھے اب عنادل کا

اصلاح: جو پھول لاے تھے وہ لے گئے رقیب کے گھر
ھجوم کیوں سر تربت ھے اب عنادل کا

پہلے مصرع میں بجائے " لیچلے " کے " لے گئے " بنا یا جس سے دوسرے مصرع کا ثبوت قوی ہوگیا اور زمانہ ھی بدل گیا ـــ

مؤلف: پڑا ھے آئینے میں آج کتنا پیارا عکس
جو آپ کہئے تو منہ چوم لوں مقابل کا

اصلاح : پڑا ھوا ھے بہت آئینے میں پیارے عکس
جو آپ کہئے تو منہ چوم لوں مقابل کا

کتنا پیارا مصرع لگا دیا کہ اب یہ شعر رنگ مینائی میں ڈوبا ھوا نظر آتا ھے سبحان اللہ !

مؤلف: خدا کرے کوئی فتنہ اٹھے نہ محشر میں
وہ آج پوچھنے بیٹھے ھیں مدعا دل کا

اصلاح . خدا کرے کوئی فتنہ اٹھے نہ خلوت میں
وہ آج پوچھنے بیٹھے ھیں مدعا دل کا

فتنہ کی رعایت سے پہلے مصرعہ میں " محشر " کا لفظ رکھا گیا مگر بے محل سمجھا گیا ۔ مدعا پوچھنے کا محل خلوت ھی میں خوب ھے ۔ اھل ذوق ذرا دیکھیں کہ اُستاد کی نظر کتنی وسیع ھے اور کس مزے کی اصلاح دی ھے ـــ

مؤلف : دل تپاں ھے ھائے اس کافر کا عالم دیکھکر
ھم کو اب مرنا پڑا دشمن کا ماتم دیکھکر

اصلاح : اور ھی عالم ھے اس کافر کا عالم دیکھکر
ھم کو اب مرنا پڑا دشمن کا ماتم دیکھکر

پہلے مصرع میں " اور ھی عالم ھے " اس ٹکڑے نے مطلع کا عالم ھی نیا کردیا ۔ اس اصلاح سے یہ مطلع کس قدر بلند ھوگیا ۔ ۔

مؤلف	طور پر ان کی نگاہ شوخ تھی بجلی نہ تھی
	کچھ نہ بولے ہم مزاج یار برہم دیکھکر

اصلاح	طور پر ان کی نگاہ گرم تھی بجلی نہ تھی
	کچھ نہ بولے ہم مزاج یار برہم دیکھکر

نگاہ شوخ میں " برهمی " کا ثبوت نہ تھا ۔ " نگاہ گرم " سے مصرعۂ ثانی کا ثبوت قوی ہوگیا ایک لفظ کی ترمیم سے شعر میں کتنی گرمی بڑھ گئی ۔ استادانہ اصلاح ہے —

مؤلف	عبث ہے نیند کے شکوے سنائی کچھ نہیں دیتا
	تری آواز گم ہے پاسباں شور سلاسل میں

اصلاح	سنوں بھی کچھ تو بولوں شکوۂ خواب گراں کیسا
	تری آواز گم ہے پاسباں شور سلاسل میں

استاد کامل نے پہلا مصرع ترمیم نہیں کیا بلکہ بلاغت زبان کا سکہ بٹھا دیا ۔ اسی خیال کو اپنے الفاظ میں نظم کرکے شعر کو زمین سے آسماں پر پہنچا دیا اس قافیہ میں اب ایسا بے نظیر شعر ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے —

مؤلف :	لحد سے اپنی اٹھکر کوئی کیوں آئے قیامت میں
	کوئی خلوت گزیں جانے لگا کیوں ایسی محفل میں

اصلاح :	لحد سے اٹھ کے کوئی کیوں پڑے فتنوں میں محشر کے
	کوئی خلوت گزیں جانے لگا کیوں ایسی محفل میں

قیامت کی اصلاح ہے ۔ اصل مصرع میں لفظ " اپنی " بھی زاید تھا ۔ "پھر فتنوں میں محشر کے " کیا قیامت خیز ٹکڑا رکھدیا ہے ۔ فتنوں کے ساتھ محشر کا تناسب اور مصرع کی برجستگی' لفظوں کی ترتیب ' بندش کی چستی' روانی و سلاست سب باتیں تو آگئیں ۔ دوسرے مصرع میں ایسی

مصفل کا ٹکڑا تھا جس کا ثبوت اب ہوا —

مؤلف : اثر اتنا تو ہے یارب ہوائے کوئے جاناں میں
اسیروں کو ذرا تسکین ہوجاتی ہے زنداں میں

اصلاح : کوئی تو بات ہے یارب ہوائے کوئے جاناں میں
اسیروں کو ذرا تسکین ہوجاتی ہے زنداں میں

"کوئی تو بات ہے" اس ٹکڑے نے مطلع میں کیا کیا بات پیدا کردی۔ اہل ذوق ذرا غور سے اس اصلاح کو دیکھیں کیونکہ بادی النظر میں پہلے مصرع میں کوئی سقم نہ تھا مگر اصلاح سے یہ مطلع بلند سے بلند تر ہو گیا —

مؤلف : یہاں کی خاک خون بیکسہ کا رنگ لاتی ہے
ذرا دامن اُٹھا کر آئیے گور غریباں میں

اصلاح : یہاں کی خاک خون بیکسہ کا رنگ لاتی ہے
ذرا دامن بچا کر آئیے گور غریباں میں

دامن اُٹھانے سے دامن بچانے میں جو احتیاط کا مقتضا ہے ظاہر ہے لطف اصلاح کا یہی ہے کہ اُستاد کی نظر کہیں نہ چوکے —

مؤلف : مزہ دیتے ہیں جگنو شب کو کیا کیا نخل تربت کے
چراغ افروزئی گور غریباں دیکھتے جاؤ

اصلاح : مزہ دیتے ہیں جگنو ٹوٹتے ہیں شب کو تارے بھی
چراغ افروزئی گور غریباں دیکھتے جاؤ

پہلا مصرع اپنی جگہہ پر گو محتاج اصلاح نہ تھا مگر اُستاد کامل نے "ٹوٹتے ہیں شب کو تارے بھی" یہ ٹکڑا ارر بڑھا کر روشنی کا لطف دوبالا کردیا۔ ایسی ہی اصلاحیں سبق آموز ہوا کرتی ہیں —

مؤلف : ہمارے زخم کی کیا فکر چارہ جو کرتے
تمھیں نے چاک کیا تھا تمھیں رفو کرتے

اصلاح: جگر کے زخم کی کیا فکر چارہ جو کرتے
تمہیں نے چاک کیا تھا تمہیں رفو کرتے

"ہمارے" میں صراحت نہ تھی اور جگر کے زخم سے تصریح ہوگئی —

مؤلف: خدا کے واسطے اک جام سے پلا ساقی
ازل کے مست آئے ہیں سبو سبو کرتے

اصلاح: قیامت آے نہ کیوں شہر پر سبو بر دوش
ازل کے مست اُٹھے ہیں سبو سبو کرتے

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں بلاغت پیدا ہوگئی قیامت اور سبو بردوش۔ حیرت ہے کہ ایسے الفاظ کیونکر مل جاتے ہیں —

مؤلف: یہ کر گئے تھے ہماری ہی آنکھ سے صفدر
ان آنسوؤں کی وہ کیا خاک آبرو کرتے

اصلاح: گرے ہوے تھے ہماری ہی آنکھ سے صفدر
ان آنسوؤں کی وہ کیا خاک آبرو کرتے

جب مصرعۂ ثانی میں "اُن" کا لفظ موجود تھا جسکی ضمیر آنسوؤں سے منطبق تھی تو مصرعۂ اولیٰ میں "یہ" کا لفظ زاید ہوا۔ اس لئے اُستاد مرتاض حضرت ریاض نے بجاے "یہ کر گئے" کے "گرے ہوے" بنا کر شعر کو اور فصیح کردیا۔

مؤلف: چشم حیرت نے تو بس صنعت قدرت دیکھی
مگر آئینے نے پہروں تری صورت دیکھی

اصلاح: تو نے تو آئینے میں صنعت قدرت دیکھی
مگر آئینے نے پہروں تری صورت دیکھی

عموماً ایک لفظ کی تکرار دونوں مصرعوں میں بد نما معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس محل پر دونوں مصرعوں میں آئینے کسقدر خوش نما ہیں۔ جسے بحر فصاحت کی لہریں کہنا زیبا ہے۔ اصلاح اسی کا نام ہے کہ پہلے مصرع میں "بس" کا لفظ حشو تھا۔ اس اصلاح سے مطلع میں ترقی ہی نہیں ہوئی

چنانچہ یہ عیب بھی رفع ہو گیا —

مؤلف : دل کے آئینے میں اس شوخ کی صورت دیکھی
ہائے صورت تھی کہ اللہ کی قدرت دیکھی

اصلاح : دیکھنے والے نے کس شوخ کی صورت دیکھی
آنکھ کہتی ہے کہ اللہ کی قدرت دیکھی

اصلاح سے مطلع کا حسن اور بڑھ گیا - پہلے مصرع میں دیکھنے والے کا ٹکڑا اور دوسرے مصرع میں " آنکھ کہتی " یہ دونوں قابل دید ہیں —

مؤلف : نذر کی جان دم جنبش ابرو اے دوست
اک نگاہ غلط انداز کی قیمت دیکھی

اصلاح : نذر دی جان پلک اُٹھتے ہی میں نے اے دوست
اک نگاہ غلط انداز کی قیمت دیکھی

" جنبش ابرو " اور پلک اُٹھنے میں جو فرق ہے وہ ارباب نظر سے مخفی نہیں —

مؤلف : اشک کم بخت کچھ آنکھوں میں بھر آئے ایسے
اُن کی صورت بھی نہ ھمنے دم رخصت دیکھی

اصلاح : اشک کم بخت کچھ آنکھوں میں بھر آئے ایسے
آنکھ بھرکر بھی نہ صورت دم رخصت دیکھی

مصرعۂ ثانی میں آنکھ بھر کر دیکھنے کے لئے کتنا پیارا محاورہ ہے۔ جو اصلاح ہے وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے —

مؤلف : او جانیوالے پھر کے ذرا دیکھتا تو جا
گل ہو گئی ہے شمع شبستاں اُداس ہے

اصلاح : او جانیوالے مڑ کے ذرا دیکھتا تو جا
گل ہو گئی ہے شمع شبستاں اُداس ہے

گو پہلے مصرع میں " پھرکے " غلط نہ تھا ۔ دونوں طرح بول چال میں داخل ہے

پھرکے دیکھنا، مڑکے دیکھنا، ایک ہی بات ہے مگر مڑکے دیکھنا پھر کے دیکھنے سے زیادہ فصیح ہے اس لئے بجائے پھرکے مڑکے بنایا گیا —

مؤلف

ہم رو رہے تھے دیکھ کے گھر ہی کو بے چراغ
اُس سے زیادہ گور غریباں اُداس ہے

اصلاح

روتے تھے دیکھہ دیکھہ کے ہم گھر کو بے چراغ
اُس سے زیادہ گور غریباں اُداس ہے

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں صفائی اور روانی پیدا ہوگئی شعر کیا ہے شہرت و پائیداری کا سرقع ہے —

مؤلف

دل کے ٹکڑے لئے جاتا ہوں در دولت پر
آج سنتا ہوں کہ پرچے ہیں گزرنے والے

اصلاح

دل کے ٹکڑے لئے آیا ہوں در دولت پر
آج سنتا ہوں کہ پرچے ہیں گزرنے والے

ایک ذرا سی لفظی ترمیم سے زمانہ کے لحاظ سے کتنا فرق پیدا ہو گیا۔ "لئے جاتا ہوں" اور "لئے آیا ہوں" میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ کتنی نازک اصلاح ہے —

مؤلف

انتہا ضبط کی ہے لاش کو دیکھیں تو حضور
سانس لیتے نہیں دم آپ کا بھرنے والے

اصلاح

ضبط کی خو ہے انھیں ایک ہے مرنا جینا
سانس لیتے نہیں دم آپ کا بھرنے والے

اس اصلاح سے شعر میں ایک نزاکت پیدا ہوگئی جس کی تشریح نہیں ہو سکتی۔ "ایک ہے مرنا جینا" اس ٹکڑے کی کیا تعریف ہو۔ غرض جو اصلاح ہے وہ سبق آموز ایسے باخبر و باکمال سخنور اب زمانہ پیدا نہیں کر سکتا۔ جن کی ملکہ فطرت شناسی اور لطف زبان آوری تا حیات اُردو سبق آموز لیل و نہار رہیں گے —

——(مولوی سید سبحان اللہ عظیم رئیس اعظم گورکھپور)——

آقائے سخن سید محمد عسکری 'وسیم' خیرآبادی نے مولانا کے غسل صحت کے خوشی میں یہ ایک قطعہ تاریخ پیش کیا تھا - وہ یہ ہے :—

قطعۂ تاریخ

خدا نے شفا میرے آقا کو دی — نہ کس طرح ہو مرے دل کو سرور
تم از روئے آب حیات اے 'وسیم' — یہ لکھدو مبارک نہائے حضور

سنہ ۱۳۴۴ ھ

مولانا نے سن کر فرمایا کہ بجائے " از روے آب حیات " اگر " از کلک آب حیات " ہو تو اور اچھا ہو - یعنی تیسرا مصرع یوں بنادیا جائے " تم از کلک آب حیات اے 'وسیم' " چنانچہ خود جناب وسیم گلدستہ "تحفہ خوشتر" ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۶ ع میں یوں رقم طراز ہیں کہ مجکو یہ اصلاح مولانا کی بہت پسند آئی کہ لکھدو کہ کلک کا لفظ خوب ہے اور پھر الف آب حیات کو کلک قرار دینا کیا اچھی بات ہے - واقعی نادر اصلاح ہے سبحان اللہ !

خاکسار مؤلف نے ایک دن اپنا یہ مطلع مولانا کو سنا یا —

آئینہ ہے کہ ہے قاتل کے مقابل قاتل
مجکو یہ ڈر ہے کہ لڑجائیں نہ قاتل قاتل

سن کر بہت پسند فرمایا اور دیر تک مطلع کی محاسن اور خوبیاں فرماتے رہے - پھر یہ اِرشاد فرمایا کہ مصرع ثانی یوں ہوتا تو خوب تھا " مجکو ڈر ہے کہیں لڑجائیں نہ قاتل قاتل " اصلاح لاجواب تھی - تسلیم کرنی پڑی کیونکہ مصرع ثانی میں " یہ " کا لفظ زاید تھا شعر فہمی میں خدا رکھے مولانا نے موصوف کو وہ ملکہ ہے جس کی نظیر ہندوستان میں شاید ہی مل سکے - علمی و ادبی ذوق میں مولانا کی خاص شہرت ہے - علاوہ اس کے آپ

ایک ایسے ذخیرہ تک کے مالک ہیں جس کا جواب سوائے ریاست رام پور یا عظیم آباد کے اور کہیں شاید ہی مل سکے

——(میر علی محمد عارف نبیرۂ انیس مرحوم)——

سید صادق علی عرف نواب چھٹا صاحب (حسین) :

جب صبح شام غم کا فلک پر ہوا ظہور — مشرق سے جلوہ گر ہوا ناگاہ خط نور

[illegible] سحر کا ہو گیا ضو سے جو دور — صحرا میں روشنی ہوئی اک بار دور دور

سبزہ لہک دکھانے لگا آب جو کی طرح

اصلاح: سبزے میں لہریں آنے لگیں آب جو کی طرح

سرخی شفق کی پھوٹ کے نکلی لہو کی طرح

پانچویں مصرع میں "سبزہ لہک دکھانے لگا" یہ ٹکڑا ثقیل تھا اس لئے "سبزے میں لہریں آنے لگیں" بنایا —

حسین —

ان میں [illegible] پھول کھلے ہیں جو بے شمار — تا دور چاندنی سے زمیں پر ہے آشکار

پھولوں سے دور دیتے ہیں اشجار سایہ دار — بلبل ہزار بار نہ کیونکر سے ہو نثار

اصلاح: بلبل ہزار بار نہ کیوں دل سے ہو نثار

جلوے کا آسماں پہ نہ ہوتا اثر کبھی

کھلتے نہ پھول یہ تو نہ ہوتی سحر کبھی

چوتھے مصرع میں "کیونکر سے" یہ ٹکڑا غلط تھا اس لئے "کیوں دل سے" بنا کر مصرع کو صحیح کر دیا —

حسین :

یہ کہہ رہی تھیں خواہر سلطان کربلا — ناگاہ آئے اکبر و عباس باوفا

دوڑیں بلائیں لینے کو ہونے لگیں فدا — فرمایا ان کو بھیج رہی تھی میں غمزدا

اصلاح: فرمایا خیریت تو ہے اے میرے مہ لقا

سنتی ہوں تیر شاہ کے لشکر میں آگئے

قربان جاؤں خوب کیا گھر میں آگئے

چوتھا مصرع ترمیم کیا گیا کیونکہ "میں غمزدا" یہ ٹکڑا غیر فصیح تھا۔
اصلاح سے زبان کی حد میں آگیا --

حسین :-

یاں تو یہ کہہ رہے تھے پسر سے امام دیں — واں ظلم کر رہے تھے یہ عباس پر لعیں

بے انتہا تھی شیر کے نزدیک فوج کیں — بازو جدا تھے شانوں سے مجروح تھی جبیں

اصلاح :-

گھیرے ہوئے تھی چار طرف سے سپاہ کیں — بازو جدا تھے خون سے رنگیں تھی جبیں

نرغہ تھا چار سمت سے جان امام پر

تیروں کا مینہ برستا تھا اُس تشنہ کام پر

تیسرا مصرع ترمیم کیا گیا جس سے اس بند میں لطافت و فصاحت پیدا ہوگئی۔
چوتھے مصرع میں " شانوں سے " یہ ٹکڑا بے محل تھا - اور جبیں کو مجروح کہنا
بھی اچھا نہ تھا اس لئے " خون سے رنگیں تھی جبیں" خوب بنایا * —

——(منشی احسان علی خاں 'احسان' شاھجہانپوری مرحوم)——

محمد عشرت حسین 'مضطر' مارہروی :

دل کسی پر بھی مبتلا کیوں ہو

اور اگر ہو تو پھر گلا کیوں ہو

اصلاح : دل حسینوں پہ مبتلا کیوں ہو

اور اگر ہو تو پھر گلا کیوں ہو

چونکہ پہلے مصرع میں " بھی" زاید تھا اس لئے " حسینوں پہ" بنایا اب
مطلع صاف و بے عیب ہو گیا —

---

* یہ اصلاحیں جناب تمنا لکھنوی سے ملیں—

مضطر: مجھ سے بیباک کیوں نہیں ہوتے
مجھ سے خلوت میں تم جدا کیوں ہو

اصلاح: پاس آکر گلے سے مل جاؤ
مجھ سے خلوت میں تم جدا کیوں ہو

دونوں مصرعوں میں "مجھ سے" کی تکرار بد نما تھی اس لئے پہلا مصرع ترمیم کیا گیا۔ اصلاح سے پہلے مصرع کو دوسرے مصرع سے ربط پیدا ہو گیا —

مضطر: راز کی بات کیجے پوشیدہ
راز کی بات برملا کیوں ہو

اصلاح: کیجئے عہد وصل پوشیدہ
راز کی بات برملا کیوں ہو

چونکہ دونوں مصرعوں میں راز کی بات کی تکرار عیب دے رہی تھی۔ دوسرا نقص یہ تھا کہ لفظ "کیجے" اب شعرائے حال نے متروک کر دیا ہے اس لئے مصرع اولیٰ بالکل بدل دیا گیا۔ عمدہ اصلاح ہے —

مضطر: معاملہ میرا اور آپ کا ہے
درمیاں میرے دوسرا کیوں ہو

اصلاح: عشق کا ہے معاملہ بے ڈھب
درمیاں میرے دوسرا کیوں ہو

شاگرد کے پہلے مصرع میں "معاملہ" کا عین ساقط ہو رہا تھا اس لئے اُستاد نے پورا مصرع بدل دیا —

مضطر: سینے میں کچھ اگر نہیں جلتا
گرم آہوں کی پھر ہوا کیوں ہو

اصلاح: سینے میں کچھ اگر نہیں جلتا
گرم پھر آہوں کی ہوا کیوں ہو

مصرعۂ ثانی میں تعقید تھی اس لئے اک ذرا سے اُلٹ پھیر میں یہ عیب رفع ہو گیا—

مضطر: مدت سے میرا ہوگیا اے دل یہ حال کیا
تجھ پر پڑا ہے اُن کی بدولت وبال کیا

اصلاح: مدت سے تیرا ہو گیا مضطر یہ حال کیا
تجھ پر پڑا ہے دل کی بدولت وبال کیا

اصل مطلع بہت الجھا ہوا تھا دونوں مصرعوں کی ترمیم سے اچھا خاصہ مطلع ہوگیا۔ مضمون وہی رہا صرف دو چار الفاظ ترمیم کئے گئے جس سے مطلع کی شان ہی اور ہوگئی—

مضطر: ناداں ہو جانتے نہیں دل کی لگی کو تم
اب تم بتاؤ تم سے کہوں دل کا حال کیا

اصلاح: ناداں ہو جانتے نہیں دل کی لگی کو تم
بے فایدہ میں تم سے کہوں اپنا حال کیا

مصرعۂ ثانی میں "تم" کی کیا ضرورت تھی جب مصرعۂ اولیٰ میں تم موجود تھا اس لئے "بے فایدہ" بجائے "اب تم" کے بنایا اور دل کی تکرار بھی دونوں مصرعوں میں اچھی نہ تھی اس لئے "اپنا" بجائے "دل" کے بنا کر شعر کو شعر کردیا—

مضطر: تم اور مجکو یاد کرو کس طرح کہوں
تم کو عدو کے سامنے میرا خیال کیا

اصلاح: تم اور مجکو یاد کرو یہ یقیں نہیں
تم کو عدو کے سامنے میرا خیال کیا

مصرعۂ اولیٰ میں "کس طرح کہوں" یہ ٹکڑا مہمل سا تھا۔ اس لئے "یہ یقیں نہیں" بنا کر شعر کو فصیح کر دیا—

مضطر: جو داغ تھے جگر کے وہ ناسور ہوگئے
ہوگا پھر ایسے زخموں کا اب اندمال کیا

اصلاح: جو داغ تھے جگر کے وہ ناسور ہوگئے
ہوگا ہمارے زخموں کا اب اندمال کیا

اصلاح سے شعر میں صفائی پیدا ہوگئی —

مضطر: وہ بھولے بن کے کہتے ہیں بتلاؤ تو ہمیں
کیا شے ہے وصل اور سوال وصال کیا

اصلاح: وہ بھولے بن کے پوچھتے ہیں ہم سے اس طرح
کیا شے ہے وصل اور سوال وصال کیا

اصلاح سے شعر میں فصاحت پیدا ہوگئی " کہتے ہیں بتلاؤ تو ہمیں " یہ ٹکڑا ذرا مبہم تھا اس لئے " پوچھتے ہیں ہم سے اس طرح " بنایا —

مضطر: تیری فرقت مری اب جان لئے لیتی ہے
مجھ کو دنیا سے پر ارمان لئے لیتی ہے

اصلاح: شب فرقت مری اب جان لئے لیتی ہے
کون کی دولت مری مہمان لئے لیتی ہے

پہلے مصرع میں بجائے " تری " کے " شب " کا لفظ بنایا دوسرا مصرع کچھ نہ تھا اس لئے پورا مصرع بدل دیا گیا جس سے مطلع کی شان ہی اور ہوگئی —

مضطر: دست رزکے ہیں اشارے مرے ایمان کی طرف
ہائے ظالم میرا ایمان لئے لیتی ہے

اصلاح: لے چلی ہے سوئے دیر اُس بت کافر کی تلاش
ہائے ظالم میرا ایمان لئے لیتی ہے

پہلا مصرع بالکل بدل دیا گیا کیوں کہ پہلے مصرع سے دوسرے مصرع کو تعلق نہ تھا اب باہمی مصرعوں میں ربط پیدا ہو گیا اور شعر مزے کا ہوگیا —

مضطر : یہ اشارہ ہے نگاہوں کا نہ دیکھ اور طرف
یہ محبت تری پیمان لئے لیتی ہے

اصلاح : یہ اشارہ ہے کہ دیکھوں نہ کسی اور طرف
ہر ادا آپ کی پیمان لئے لیتی ہے

دونوں مصرعوں کی ترمیم سے شعر میں ایک خاص ادا پیدا ہو گئی اور مفہوم وہی رہا —

مضطر : تری شوخی کے مقابل میں میری بیتابی
اب کوئی دم میں یہ میدان لئے لیتی ہے

اصلاح : تری شوخی کے مقابل میں بنی ہے بجلی
بیقراری میری میدان لئے لیتی ہے

دونوں مصرعوں میں ترمیم کی گئی - یہ تڑپا دینے والی اصلاح ہے * —

———(منشی غضنفر علی 'حکیم' خلف اکبر حضرت اسیر مرحوم)———

وزیر علی وزیز لکھنوی :

نظر نہ آوں کسی کو بھی جو وہ زار ہوں میں
وزیر اهل نظر کی جہاں کا تار ہوں میں

اصلاح : میں سب دیکھوں نہ آوں نظر وہ زار ہوں میں
وزیر اهل نظر کی جہاں کا تار ہوں میں

پہلے مصرع میں " جو " کا لفظ حشو تھا لہذا پہلا مصرع اس حسن سے ترمیم کیا گیا کہ مطلع بلند ہو گیا + —

———(نواب اصغر حسین 'فاخر' لکھنوی)———

میرے محترم دوست جناب ذاخر تلمیذ حضرت 'فاخر' مرحوم بیان فرماتے

---

* یہ اصلاحیں خود جناب مضطر نے بذریعہ ڈاک مجھے روانہ فرمائیں —

+ یہ اصلاح خود جناب وزیر سے ملی —

ہیں کہ ایک دن نواب مہدی حسین 'ماہر' لکھنوی اُستاد حضرت 'فاخر' دولت کدۂ جناب 'فاخر' واقع محلہ نرھی پر تشریف فرماتھے۔ نواب صاحب موصوف ترتیب دیوان کے لئے ردیف وار سلام کہہ رہے تھے۔ "س" کی ردیف میں یہ مصرع فرمایا " اللہ رے جناب رسول خدا کی حرص" مصرع ذرا بیڈھب تھا۔ آپ نے اُستاد جناب 'ماہر' سے مصرع لگانے کی فرمایش کی حضرت 'ماہر' نے یہ مصرع لگایا —

اب بیٹی دے کے لے لئے حیدر سے دو پسر

اللہ رے جناب رسول خدا کی حرص

مصرع لگا تو دیا مگر خود ہی فرمایا کہ یہ مصرع بلند نہیں۔ پھر اُسی وقت جناب 'فاخر' کے ذہن میں ایک مصرع آگیا جس کی حضرت 'ماہر' نے بے حد داد دے دیکر اپنے نئے حوصلہ مند شاگرد کا دل بڑھایا اور یہ الفاظ فرمائے کہ میرے مصرع سے یہ مصرع بہت بلند ہے اچھا اب وہ مصرع بھی ملاحظہ ہو —

بڑھتی ہی جاتی تھی شب معراج پیش حق

اللہ رے جناب رسول خدا کی حرص

(بحوالہ بہادر لسان العصر 'اکبر' الہ آبادی) ———

محمد علیم خان 'علیم' الہ آبادی

علیم
ہاں اک نظر میں دل تو ہمارا اُنہیں کا تھا
پھر جو ہمارے پاس تھا سارا اُنہیں کا تھا

اصلاح:
پہلی اک نظر میں دل تو ہمارا اُنہیں کا تھا
پھر جو ہمارے پاس تھا سارا اُنہیں کا تھا

پہلے مصرع میں صرف ایک لفظ بڑھا کر مطلع کو اہل نظر کی نگاہوں میں وقیع کردیا - اس پہلی نظر کی کیا تعریف ہو —

علیم:
بٹھلایا اپنے پاس پھر اُٹھوا دیا مجھے
میں اب بھی خوش ہوں کیونکہ اِشارہ اُنہیں کا تھا

اصلاح: بٹھلایا پہلے سبکو پھر اُٹھوا دیا مگر
میں اب بھی خوش ہوں کیونکہ اِشارہ اُنہیں کا تھا

پہلے مصرع میں جو ترمیم کی گئی اُس سے دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا ہوا " پہلے " کی مناسبت سے " پھر " کی ضرورت تھی آخر میں " مگر " کا لفظ بھی بڑھایا - اس " مگر " کی وہی داد دینگے جن کی باریک بیں نگاہیں بحر سخن کے عمق تک پہنچکر موتی نکال لاتی ہیں —

علیم: حال وقت جانکنی کیونکر کُھلے
بند ہوجائے زباں بستر کُھلے

اصلاح: حال زار جانکنی کیونکر کُھلے
بند ہوجائے زباں بستر کُھلے

ایک " زار " کے لفظ سے مطلع میں جان آگئی - روح پرور اصلاح ہے —

علیم: دم بخود رہ گیا میں سنتے ہی پیغام اجل
بات ہی ایسی تھی جو منہ سے نکالی نہ گئی

اصلاح: دم بخود رہ گیا میں سنتے ہی پیغام احل
بات کچھہ ایسی تھی جومنہ سے نکالی نہ گئی

دوسرے مصرع میں " بات ہی ایسی تھی " یہ ٹکڑا کو غلط نہ تھا مگر " بات کچھہ ایسی تھی " خاص محاورہ ہے - اُس اصلاح سے شعر میں نفاست لطف زبان پیدا ہوگیا —

● یہ اصلاحیں جناب علیم کے تحویل حافظہ میں محفوظ تھیں مجھے نوٹ کرادیں اور بھی اصلاحیں دینے کا وعدہ فرمایا مگر شاعر کا وعدہ ہی کیا - ہم اسی کو غنیمت سمجھے -

——(ابوالعلا سید مولوی حکیم سعید احمد ناطق لکھنوی)——

حافظ قاری سید عظمت علی مضطر:

مضطر: تھرے کلی کی حسرت کیوں ہو نہ میرے دل کو
بلبل کی زندگی ہے گلزار دیکھ لینا

اصلاح: نظارہ اُس کلی کا جاں بخش ہو نہ کیونکر
بلبل کی زندگی ہے گلزار دیکھ لینا

پہلا مصرع ترمیم کیا گیا۔ جس سے دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا ہوگیا عمدہ اصلاح ہے —

مضطر کانپوری: رکھا ہے اب گلے پر قاتل نے میرے خنجر
دھولے گی عرض پر اب تلوار دیکھ لینا

اصلاح: دل کو کیا ہے زخمی تیغ ادا سے اُس نے
دھولیگی عرض پر اب تلوار دیکھ لینا

شاگرد نے پہلے مصرع میں خنجر اور دوسرے مصرع میں تلوار اچھی نہ تھی اس لئے اُستاد نے " تیغ ادا " بنایا اب دوسرے مصرع سے پہلے مصرع کو ربط پیدا ہوگیا —

مضطر: آنکھوں کا اُن کی پھر مجکو عشق ہوگیا ہے
پھر کچھ دنوں میں مجکو بیمار دیکھ لینا

اصلاح: کچھ روز سے محبت آنکھوں کی ہوگئی ہے
دو چار دن میں مجکو بیمار دیکھ لینا

مضطر کے دونوں مصرعوں میں "مجکو" کی تکرار بدنما تھی۔ اس لئے دونوں مصرعے ترمیم کے گئے جس سے شعر صاف ہوگیا —

مضطر: عرض وصال پر نگہ یار اُٹھ گئی
لو مفت باتوں باتوں میں تلوار اُٹھ گئی

اصلاح : شوق وصال پر نگہہ یار اُٹھہ گئی
لو اک ذراسی بات پہ تلوار اُٹھہ گئی

پہلے مصرع میں "عرض وصال" کے بجاے "شوق وصال" بنا کر اور نزاکت پیدا کر دی۔ دوسرے مصرع میں "لو مفت باتوں باتوں میں" قلم زد کر کے "لو اک ذراسی بات پہ" بنایا۔ اس محل پر یہی محاورہ خوب تھا۔

مضطر : کئے لیتے ہو وعدہ وصل کا اتنا سمجھہ بھی لو
جو حسرت رہ گئی دل میں بڑی مشکل سے نکلے گی

اصلاح : کئے لیتے ہو وعدہ وصل کا اتنا سمجھہ لینا
جو حسرت رہ گئی پھر وہ بڑی مشکل سے نکلے گی

پہلے مصرع میں "سمجھہ بھی لو" کے بجاے "سمجھہ لینا" بنا کر مصرع میں صفائی پیدا کر دی۔ دوسرے مصرع میں "دل میں" یہ ٹکڑا بیکار تھا اس لئے "پھر وہ" بنا کر مصرع میں روانی و سلاست پیدا کر دی کیونکہ حسرت سواے دل کے اور کہیں نہیں رہ سکتی اس لئے دل کی ضرورت نہ تھی۔

مضطر : جو نظر آتا ہے عالم میں وہ ظاہر بیں ہے
کام کرتی ہے ادا نام قضا کا دیکھا

اصلاح : کون اس راز سے واقف ہوا عاشق کے سوا
کام کرتی ہے ادا نام قضا کا دیکھا

پہلا مصرع ترمیم کیا گیا۔ جس سے مضمون مصرعۂ ثانی کا ثبوت قوی ہوگیا۔

مضطر : کوئی دل دیتا ہے اپنا کوئی اپنا سر اُسے
آج اک ہنگامہ برپا کوچۂ قاتل میں ہے

اصلاح : سر بکف ہر اک چلا جاتا ہے شوق ذبح میں
آج اک ہنگامہ برپا کوچۂ قاتل میں ہے

پہلے مصرع کے بدل دینے سے دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا ہو گیا۔

کیونکہ دوسرے میں ہنگامہ برپا ہونے قاتل کا بیان کیا جاتا ہے اس لئے سر بکف ہی ہونا اور پھر شوق ذبح میں نہایت ہی مناسب ہے—

مضطر
شمع ہوتی ہے جہاں پروانہ ہوتا ہے ضرور
وہ ہے جس محفل میں میرا دل بھی اُس محفل میں ہے

اصلاح
شمع روشن ہو جہاں پروانہ بھی ہوگا ضرور
وہ ہے جس محفل میں میرا دل بھی اس محفل میں ہے

پہلے مصرع میں "شمع ہوتی ہے جہاں" کے بجائے "شمع روشن ہو جہاں" خوب بنایا کیونکہ جب تک شمع روشن نہ ہو پروانے کا آنا نا ممکن ہے - دیکھئے صرف دو لفظوں کی ترمیم سے شعر روشن ہو گیا - واقعی بے نظیر اصلاح ہے—

مضطر
خوان نعمت ہے جہاں میں اہل دولت کے لئے
خشک ٹکڑوں کے سوا کیا دامن سائل میں ہے

اصلاح
مجھ کو خدا نے کیا تواضع ہو تری اے شاہ حسن
خشک ٹکڑوں کے سوا کیا دامن سائل میں ہے

پہلے مصرع کو بدل دینے سے شعر میں تغزل کی شان پیدا ہو گئی - اُستادانہ اصلاح ہے—

مضطر
سب سے چھپتے ہیں چھپیں مجھ سے تو پردا نہ کریں
سیر گلشن وہ کریں شوق سے تنہا نہ کریں

اصلاح
محرم راز تجلی ہوں ازل سے میں تو
سب سے چھپتے ہیں چھپیں مجھ سے تو پردا نہ کریں

اصل مطلع میں پہلا مصرع خوب تھا مگر دوسرا مصرع مہمل و بے ربط تھا - اُستاد کامل الفن نے پہلے مصرع پر اتنا بلند مصرع لگا دیا کہ شعر زمین سے آسمان پر پہنچ گیا - لاجواب اصلاح ہے—

مضطر : جلایا مسیحا نے کشتوں کو اپنے
کوئی تیر پھر آزمانا تھا کیا

اصلاح : لحد پر شہیدوں کے آنا تھا کیا
کوئی تیر پھر آزمانا تھا کیا

استاد نے پہلے مصرع کو بدل کر شعر کو مطلع کر دیا ۔ اب مطلع میں معنوی خوبیاں قابل دید ہیں - واقعی اصلاح اسی کا نام ہے -

مضطر : دشمنی کرنے لگی مجھ سے تمنا میری
جان اب وہ ہی نگہبان لئے لیتی ہے

اصلاح : دشمنی کرنے لگی مجھ سے تمنا میری
جان اب دل کی نگہبان لئے لیتی ہے

مصرعۂ ثانی میں "وہ ہی" کا ٹکڑا بے محل تھا چونکہ "تمنا" کا تعلق دل سے ہوتا ہے اس لئے "دل کی" بنا کر شعر کو فصیح کر دیا ـــ

مضطر : خبر لیتے نہیں کیوں دل کی حالت دیکھنے والے
تڑپتے ہیں کسی کی آج صورت دیکھنے والے

اصلاح : خبر لیتے نہیں کیوں دل کی حالت دیکھنے والے
تڑپتے ہیں کسی کی پیاری صورت دیکھنے والے

مصرعۂ ثانی میں "آج" زاید تھا اس لئے "پیاری" بنا کر مطلع کو حشو و زواید سے پاک کرکے بے عیب کر دیا ـــ

مضطر : ذرا چلمن ہٹا کر سامنے آ جائیں اچھا ہے
کھڑے ہیں صبح سے آج اُن کی صورت دیکھنے والے

اصلاح : ذرا چلمن ہٹا دیں یا بلالیں سامنے اپنے
کھڑے ہیں صبح سے آج اُن کی صورت دیکھنے والے

پہلے مصرع میں "ہٹادیں یا بلالیں سامنے اپنے" یہ دونوں ٹکڑے اس محل

پر خوب بنائے گئے - انہوں دونوں باتوں کی مشتاقان جمال کو ضرورت تھی " سامنے آجائیں اچھا ہے " یہ ٹکڑا بد نما تھا - اصلاح سے شعر میں بے حد ترقی ہوگئی --

مضطر: حسینو! یہ نہ پوچھو کیا نتیجہ اس سے نکلیگا
تمہارے ظلم پر کرتے ہیں حیرت دیکھنے والے

اصلاح: حسینو! تم نہ پوچھو کیا زمانہ تم کو کہتا ہے
تمہارے ظلم پر کرتے ہیں حیرت دیکھنے والے

پہلے مصرع میں " کیا نتیجہ اس سے نکلیگا " برائے بیت تھا اس لئے بجائے اس کے " کیا زمانہ تم کو کہتا ہے " بنا کر شعر کو زبان کے سانچے میں ڈھال دیا --

مضطر: رہیں ناکام کب تک تیری صورت دیکھنے والے
ادھر ہوں اک نظر اور دل کی حسرت دیکھنے والے

اصلاح: رہیں بے چین کب تک تیری صورت دیکھنے والے
ادھر ہوں اک نظر اور دل کی حسرت دیکھنے والے

پہلے مصرع میں " ناکام " کے بجائے " بے چین " بنا کر تڑپادیا صرف ایک لفظ کی ترمیم سے مطلع پھڑکا دینے والا ہوگیا —

مضطر: وقت سخن ہوں کیوں نہ تصدق دھن کے پھول
باتیں نہیں نکلتے ہیں منہ سے سخن کے پھول

اصلاح: وقت سخن ہوں کیوں نہ تصدق دھن کے پھول
باتیں نہیں ہیں گرتے ہیں منہ سے سخن کے پھول

مصرعۂ ثانی میں بجائے " نکلتے ہیں " کے " گرتے ہیں " بناکر شعر کو فصیح کردیا - منہ سے پھول جھڑتے ہیں یہ محاورہ بھی ہے مگر اس محل پر " گرتے ہیں " یہی اچھا ہے کیونکہ " جھڑتے ہیں " میں ایک مذموم پہلوبھی نکلتا ہے —

مضطر: آے ہیں تعزیت کو مگر دیکھتے ہیں ہم
چھوتے نہیں ہیں کشتۂ رنج و محن کے پھول

اصلاح: آے ہیں تعزیت کو مگر ہے یہ اجتناب
چھوتے نہیں ہیں کشتۂ رنج و محن کے پھول

پہلے مصرع میں " دیکھتے ہیں ہم " یہ ٹکڑا مبالغہ آمیز تھا - مگر " ہے یہ اجتناب " اس اصلاح سے شعر میں جان آگئی —

مضطر: لیجاؤں کیا میں یاسمن و نسترن کے پھول
بار گراں ہاتھ میں نازک بدن کے پھول

اصلاح: لیجاؤں کیا میں یاسمن و نسترن کے پھول
بار گراں ہوں کانوں میں نازک بدن کے پھول

دوسرے مصرع میں بجاے " ہاتھ " کے " کانوں " میں خوب بنایا کتنی نازک اصلاح دی کیونکہ ہاتھ میں پھولوں کے ہار پہنے جاتے ہیں - خالی پھول تو کانوں ہی میں پہنے جاتے ہیں —

مضطر: مضطر تمہارے سینے میں ایک داغ بھی نہیں
کس نے بتاؤ لوٹ لئیے اس چمن کے پھول

اصلاح: مضطر تمہارے سینے میں ایک داغ بھی نہیں
بتلاؤ کس نے لوٹ لئے اس چمن کے پھول

دوسرے مصرع میں ایک ہلکی سی تعقید تھی اُستاد نے " بتلاؤ کس نے " بنا کر اس عیب کو رفع کر دیا —

مضطر: نہ پوچھو مجھ سے تم اس بے وفائی پر کہ کیا تم ہو
ستمگر، بےمروت، خود غرض، نا آشنا تم ہو

اصلاح: بھلا میں کیا کہوں اس بے وفائی پر کہ کیا تم ہو
ستمگر، بے مروت، خود غرض، نا آشنا تم ہو

پہلے مصرع میں " تم " کی تکرار بدنما تھی اس لئے " نہ پوچھو مجھ سے تم " کے بجائے " بھلا میں کیا کہوں " بناکر مطلع کو بلند کردیا —

مضطر: یہی تواب کہو کے کیوں دیا دل کس نے مانگا تھا
ہماری ہے خطا اِس میں سراسر بے خطا تم ہو

اصلاح: یہی تواب کہو کے کیوں دیا دل کس نے مانگا تھا
ہمیں مجرم تمہارے ہیں سراسر بے خطا تم ہو

مصرعۂ ثانی میں " ہماری ہے خطا اِس میں " یہ ٹکڑا قلم زد کرکے " ہمیں مجرم تمہارے ہیں " بنایا جس سے شعر میں روانی اور سلاست پیدا ہوگئی ۔

——(نواب حیدر یار جنگ مولانا سید علی حیدر 'نظم' طبا طبائی لکھنوی)——

'نشتر' تخلص ۔ نام محمد عبدالحکیم

نشتر: آشیاں باغ میں بلبل کو بنانا نہ ملا
ایک دو تنکے ہی رکھے تھے کہ صیاد آیا

اصلاح: آشیاں باغ میں بلبل کو بنانا نہ ملا
شاخ گل پر تھا نواسنج کہ صیاد آیا

مصرع ثانی میں "ایک دو تنکے ہی رکھے تھے " اس حالت میں صیاد کا آنا ممکن تو ہے مگر " شاخ گل پر تھا نواسنج " اس سے زیادہ لطیف ہے ۔ یعنی صیاد کب آیا ۔ جب اُس کے کانوں میں بلبل کی آواز پہنچی ۔ اُستادانہ اصلاح ہے —

نشتر عشق نشتر کا وہ شہرہ تھا کہ ملنے کے لئے
ٹھوکریں قبر سے کھاتا ہوا فرہاد آیا

• یہ اصلاحیں بذریعہ ڈاک موصول ہوئیں ہم سید حافظ قاری عظمت علی مضطر' کانپوری کے شکر گزار ہیں —

اصلاح : عشق نشتر کا وہ شہرہ تھا کہ ملنے کے لئے
تھوکریں کوہ سے کھاتا ہوا فرہاد آیا

دوسرے مصرع میں بجائے "قبر" کے "کوہ" بنا دیا۔ کیونکہ فرہاد کے لئے "کوہ" کی سخت ضرورت تھی—

نشتر : ازل میں نور رخ یار تھا جو پوشیدہ
گلوں میں ہو گیا ظاہر وہ رنگ و بو ہوکر

اصلاح : ازل میں حسن رخ یار تھا جو پوشیدہ
گلوں میں ہو گیا ظاہر وہ رنگ و بو ہوکر

پہلے مصرع میں بجائے "نور" کے "حسن" بنایا کیونکہ رنگ و بو دونوں لفظوں پر حسن حاری ہے اور نور میں صرف رنگ ہی کا رنگ تھا اس لئے یہاں حسن کی ضرورت تھی۔ صرف ایک لفظ کی ترمیم سے شعر میں عجب حسن پیدا ہو گیا—

نشتر : مونس ہے نہ ہمدم ہے نہ غمخوار ہے کوئی
غربت سے کہیں بڑھ کے میں بیکس ہوں وطن میں

اصلاح : مونس ہے نہ ہمدم ہے نہ غمخوار نہ دلجو
غربت سے کہیں بڑھ کے میں بیکس ہوں وطن میں

مصرعۂ اولیٰ میں "ہے کوئی" کو قلم زد کرکے "نہ دلجو" بنا دیا جس سے شعر میں ترقی ہو گئی—

نشتر : افسانۂ دل پردۂ قلقل میں کہونگا
رکھدو یہ زباں کاٹ کے مینا کے دہن میں

اصلاح : افسانۂ دل پردۂ قلقل میں کہونگا
رکھدوں گا زباں کاٹ کے مینا کے دہن میں

دوسرے مصرع میں بجائے "رکھدو یہ" کے "رکھدوں گا" بنایا کیونکہ پہلے

مصرع میں کسی اور سے خطاب نہیں ہے شاعر خود ہی افسانۂ دل پردۂ قلقل میں کھلنے کو کہہ رہا ہے اس لئے اس محل پر " رکھدوں گا " کہنا بہت مناسب ہے—

نشتر : دیکھو رخ تاباں کو نہ کاکل سے چھپاؤ
اندھیر مچیگا جو ہوا مہر گہن میں

اصلاح دیکھو رخ تاباں کو نہ کاکل سے چھپاؤ
اندھیر ہے خورشید جو آجائے گہن میں

دوسرے مصرع کی ترمیم سے شعر میں سلاست و روانی پیدا ہو گئی - اگر پہلے مصرع میں بجائے " کاکل " کے " زلفوں سے " ہوتا تو اور بھی اچھا تھا—

نشتر ٹھہر ٹھہر کہ ہوں دم بھر کا مہمان میں بھی
قریب ختم ہے اے شمع داستاں میری

اصلاح ٹھہر ٹھہر کہ ہوں مہمان میں بھی دم بھر کا
قریب ختم ہے اے شمع داستاں میری

اصلاحی الفاظ وہی ہیں مگر ان ذرا سے الٹ پھیر میں تعقید کا جو ایک عیب تھا جاتا رہا - شعر بھی اچھا ہے اور اصلاح بھی خوب ہے -

نشتر : ہے مشتعل سرے قلب و جگر میں آتش عشق
سلگ رہی ہیں تب غم سے ہڈیاں میری

اصلاح بھڑکتی جاتی ہے اندر ہی اندر آتش عشق
سلگ رہی ہیں تب غم سے ہڈیاں میری

پہلے مصرع کی ترمیم سے بیان میں گرمی اور شعر میں زور پیدا ہو گیا - عجب قوت کا مصرع لگا دیا جس کی جس قدر داد دی جائے کم ہے ' ایسی ہی اصلاحیں سبق آموز ہوتی ہیں—

نشتر : سر جھکا کر کہہ رہا ہے یہ ہلال آسماں
سرفرازی میں بھی لازم ہے کہ گردن خم رہے

اصلاح : آسماں پر یہ اشارہ کر رہا ہے ماہ نو
سرفرازی میں بھی لازم ہے کہ گردن خم رہے

ہلال آسماں کے کہنے سے ماہ نو کا اشارہ زیادہ نازک ہے۔

نشتر : حضرت نشتر تھے قیس و کوہکن کے جا نشیں
کوہ و صحرا میں نہ کیوں آوازۂ ماتم رہے

اصلاح : حضرت نشتر تھے قیس و کوہکن کے جا نشیں
کوہ و صحرا میں نہ کیوں ہنگامۂ ماتم رہے

دوسرے مصرع میں "آوازۂ ماتم" یہ ٹکڑا ٹھیک نہ تھا اس لئے "ہنگامۂ ماتم" بنا کر شعر کو صحیح کر دیا۔

نشتر : زمیں پہ پھول تو گردوں پہ انجم و مہ و مہر
یہ ہیں اُسی گل و رعنا کے گل کھلائے ہوئے

اصلاح : چمن میں پھول فلک پر کواکب و مہ و مہر
یہ ہیں کسی گل و رعنا کے گل کھلائے ہوئے

پہلے مصرع میں "زمیں پہ پھول" یہ ٹکڑا کئی عیبوں سے مملو تھا۔ اول تو دو قریب المخرج حرفوں کا یکجا ہونا عیوب شاعری میں داخل ہے اور پھر پھول کے لئے چمن ہی زیادہ موزوں ہے۔ اس لئے مصرع ترمیم کیا گیا جس سے شعر اور بلند ہو گیا۔

نشتر : ہلال جھک کے یہ گردن کشوں سے کہتا ہے
جو سرفراز ہیں چلتے ہیں سر جھکائے ہوئے

اصلاح : ہلال جھک کے یہ گردن کشوں سے کہتا ہے
جو سرفراز ہیں رہتے ہیں سر جھکائے ہوئے

مصرعۂ ثانی میں بجائے "چلتے" "رہتے" بنایا اس ایک لفظ کے تصرف نے شعر کو کتنا لطیف کر دیا پہلے سر جھکانے کی خصوصیت صرف چلنے میں تھی اب ہر

حالت میں سر جھکانا پایا جاتا ہے —

نشتر: عجب ہوائے فنا چل رہی ہے اے نشتر
کہ سب چراغ کواکب ہیں جھلملائے ہوئے

اصلاح: عجب ہوائے فنا چل رہی ہے عالم میں
کہ سب چراغ کواکب ہیں جھلملائے ہوئے

پہلے مصرع میں بجائے " اے نشتر " کے " عالم میں " بنا کر چراغ کواکب کا جھلملانا ثابت کیا ہے —

——— منشی احمد علی شوق قدوائی مرحوم ———

عبدالحکیم نشتر جالندھری:

حنا مالیدہ پاؤں سے یہ کسنے سیر دریا کی
نگاہیں پھول چنتی پھرتی ہیں دامان ساحل سے

اصلاح: مگر پائے حنائی سے کسی نے سیر دریا کی
نگاہیں پھول چنتی پھرتی ہیں دامان ساحل سے

پہلے مصرع میں " حنا مالیدہ پاؤں سے " یہ ٹکڑا غیر فصیح تھا اس لئے اُستاد کامل نے " مگر پائے حنائی سے " بنا کر شعر کو فصیح کر دیا —

نشتر: مدد اے جوش الفت پر لگا دے میرے قدموں کو
کہ منزل دور مجھ سے اور میں ہوں دور منزل سے

اصلاح: مدد اے جوش الفت پر لگا دے توہی قدموں کو
کہ منزل دور مجھ سے اور میں ہوں دور منزل سے

پہلے مصرع میں " میرے " کی چنداں ضرورت نہ تھی کہ جب دوسرے مصرع میں اُس کا مترادف "مجھ سے" اور "میں" موجود ہے اس لئے اُستاد نے بجائے "میرے" کے " توہی " بنا کر مصرع میں اور زور پیدا کردیا —

● یہ اصلاحیں بذریعہ ڈاک خود جناب نشتر نے ارسال فرمائیں مؤلف شکر گزار ہے۔

نشتر : بڑھا ہے ربط و ضبط اتنا جدا دم بھر نہیں ہوتا
میرا دل تیرے پیکاں سے ترا پیکاں میرے دل سے

اصلاح : یہ ربط باہمی تو دیکھو کس الفت سے لپٹا ہے
مرا دل تیرے پیکاں سے ترا پیکاں میرے دل سے

پہلا مصرع کس حسن سے ترمیم کیا گیا کہ دوسرے مصرع سے ربط پیدا ہوگیا—

نشتر : خیال آتا ہے جس دم نشتر مژگان جاناں کا
تو فوارہ لہو کا چھوٹتا ہے ہر رگ دل سے

اصلاح : پڑا ہے کام کسکی کاوش مژگاں سے اے نشتر
کہ فوارہ لہو کا چھوٹتا ہے ہر رگ دل سے

پہلے مصرع کو ترمیم کرکے اُستاد نے شعر کو مقطع کردیا اب یہاں نشتر نے دونوں معنی دئیے —

نشتر : منہ چھپائے ہوئے شمشیر ادا آتی ہے
آج مقتل میں دلھن بن کے قضا آتی ہے

اصلاح : مجکوگہ رنگہت میں نظر اُن کی ادا آتی ہے
آج مقتل میں دلھن بن کے قضا آتی ہے

پہلا مصرع کیوں ترمیم کیا گیا - اول تو شمشیر کے منہ چھپانے کا ثبوت نہ تھا اور پھر " آتی ہے " یہ ٹکڑا برا تھا - مصرع جو استاد نے اگا دیا اُس سے دوسرے مصرع کا ثبوت قوی ہوگیا۔ " نظر " کا لفظ پہلے مصرع میں قابل دید ہے—

نشتر : داور حشر بھی عاشق نہ کہیں ہوجائے
اُن کو جاتے ہوئے محشر میں حیا آتی ہے

اصلاح : بھیجدے حشر کو یارب تو اُنھیں کے گھر میں
اُن کو جاتے ہوئے محشر میں حیا آتی ہے

نشتر کا پہلا مصرع معیار شاعری سے بہت گرا ہوا تھا - اور سوء ادبی کا بھی ایک پہلو نکلتا تھا - حضرت شوق نے نئے انداز سے مصرع لگا دیا - اب مصرع ثانی کی جس قدر چاہیں تاویل کیجیئے —

نشتر: کشتۂ زلف ہوں ہر شب کو مری تربت پر
حور اوڑھے ہوے ماتم کی ردا آتی ہے

اصلاح: کشتۂ زلف وہ ہوں میں کہ مری تربت پر
رات اوڑھے ہوے ماتم کی ردا آتی ہے

پہلے مصرع میں دوسرے مصرع کی مناسبت سے کسی قدر ترمیم کی گئی - مگر دوسرے مصرع میں بجاے "حور" کے کشتۂ زلف کی رعایت سے " رات " بنایا حور کو تربت سے کیا تعلق۔دیکھیئے صرف ایک لفظ سے شعر میں کتنی خوبیاں پیدا ہوگئیں۔ رات کا ماتم کی ردا اوڑھ کر کشتۂ زلف کی تربت پر آنا نئی بات ہے —

نشتر: جو نہیں پیتا نکل جاے وہ میخانے سے
دور میں آج مئے ہوشربا آتی ہے

اصلاح: ہوش پیارے ہوں جسے جاے وہ میخانے سے
دور میں آج مئے ہوشربا آتی ہے

سبحان اللہ کیا بے نظیر مصرع لگا دیا ہے جس کی جس قدر تعریف کی جائے۔اول تو اصل مصرع میں ایک نقص یہ تھا کہ پڑھنے میں کراہت معلوم ہوتی تھی - دوسرے جو نہیں پیتا یا جسے دخت رز سے بیعت حاصل نہیں وہ میخانے میں جائے ہی کیوں لگا۔ تیسرے " نکل جائے " یہ ٹکڑا بہت سخت تھا جس میں رکاکت پیدا ہوتی تھی۔اب اصلاحی مصرع کی خوبیاں ملاحظہ ہوں۔ دوسرے مصرع میں ہے " دور میں آج مئے ہوشربا آتی ہے" اس کی مناسبت سے پہلے مصرع میں "ہوش پیارے ہوں" کیا

خوب بنایا اس اصلاح سے یہ مطلع مطلع آفتاب ہوگیا ۔۔

---

*یہ اصلاحیں بھی جناب 'نشتر' نے بذریعہ ڈاک ارسال فرمائیں - جناب 'نشتر' نے حضرت نظم طبا طبائی سے بھی اصلاح لی اور جناب ' شوق ' کے سامنے بھی زانوے ادب تہ کیا ۔۔

خطبات گارساں دتاسی

(اُردو زبان و ادب پر)

[مترجمہ جناب نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات حیدرآباد دکن]

چھٹا خطبہ

(جو ۲-دسمبر سنہ ۱۸۵۵ع کو پڑھا گیا)

حاضرین!

اپنے لکچروں کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے میں ہر سال ہندوستان کی ادبی تحریک کی ترقی آپ حضرات کے سامنے بیان کرتا ہوں - کم از کم اس زبان کی ترقی جو خصوصیت کے ساتھہ ہندوستانی کہی جاتی ہے اور جس کی دونوں شاخوں یعنے ہندو (ہندی) اور مسلمانی شاخ (اُردو) کے سیکھنے کے لئے آپ لوگ یہاں آئے ہیں —

اس سال اپنا یہ فرض، کم سے کم، صوبجات مغربی و شمالی کے متعلق میں اس وجہ سے اور بھی زیادہ آسانی کے ساتھہ انجام دے سکتا ہوں کہ صوبجات مغربی وشمالی کی سرکاری رپورٹ مجھے حال ھی میں پہنچ گئی ہے جس میں دیسی چھاپے خانوں اور گزشتہ سال کے شائع شدہ اخبارات و کتب کا ذکر کیا گیا ہے - اس کے علاوہ میرے پاس گزشتہ پہلی جون کے آگرہ گورمنٹ گزٹ کی ایک جلد بھی موجود ہے، جس میں ان کتابوں کی مکمل فہرست شائع ہوئی ہے —

حضرات! اِن چھاپے خانوں کی پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۲ ع تک کی حالت میں نے اپنے کسی لکچر میں بیان کی تھی - سرکاری رپورٹ کے مطابق صوبجات مغربی و

شمالی میں اُس وقت دیسیوں کے ۳۲ چھاپے خانے تھے جہاں سے ۲۹ ہندوستانی اخبارات شائع ہوتے تھے۔ سنہ ۱۸۵۱ ع میں ان چھاپہ خانوں سے ۱۲۹ مختلف کتابیں شائع ہوئیں جو تقریباً سب کی سب ہندوستانی زبان میں تھیں۔پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۳ ع تک چھاپہ خانوں کی تعداد ۳۷ تک پہنچ گئی اور ہندوستانی اخبارات کی تعداد ۳۰ ہوگئی۔ اور اس قدر کتابوں کی تعداد جو سنہ ۱۸۵۲ ع میں چھپیں ۱۳۰ تھی۔ پھر حال ہم کو معلوم ہے کہ پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۴ ع تک جب کہ میرے لکچر ختم ہوے چالیس چھاپہ خانے اور ۳۳ اخبارات اِن صوبجات میں موجود تھے اور سنہ ۱۸۵۳ ع میں ۱۹۵ کتابیں شائع ہوئیں۔ اِس وقت چند پرانے اخبارات جن سے میں آپ حضرات کا تعارف کرا چکا ہوں بند ہوگئے ہیں۔ لیکن پھر بھی جدید اخبارات کی تعداد بمقابلہ اُس تعداد کے جو پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۲ ع میں دی گئی تھی بقدر ۳ کے زیادہ تھی۔ اخبارات جو بند ہوگئے ان کے نام یہ ہیں — "زایرین ہند" بنارس کا' جس کے متعلق میں ایک مفصل آرٹکل ' Debats '' مورخہ ۱۹-جنوری سنہ ۱۸۵۱ ع میں شائع کرا چکا ہوں ''باغ و بہار'' بھی اِسی شہر سے شائع ہوتا تھا نیز ''بنارس گزٹ'' جو باوجود اپنے انگریزی نام کے اُردو میں شائع ہوتا تھا: دھلی کا ''فوائدالناظرین'' میرٹھ کا ''مفتاح الاخبار'' لاھور کا ''دریاے نور'' ''شملہ اخبار'' لدھیانہ کا ''نورٌ علی نور'' اور امرتسر کا ''باغ نور'' —

صوبجات مغربی و شمالی میں پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۴ ع تک جو چالیس چھاپہ خانے موجود تھے ان کی تقسیم اس طرح پر ہوئی تھی کہ ان میں سے دس آگرہ میں تھے' سات بنارس میں' ایک بریلی میں' ایک بھرتپور میں' دو لاھور میں' دو ملتان میں اور ایک سیالکوٹ میں —

نئے اخبارات جن سے ابھی میں نے آپ کو آگاہ نہیں کیا یہ ہیں :- آگرہ میں "نورالاخبار" اور "بدھی پرکاش" یہ دونوں پرچے حقیقت میں ایک ہی ہیں اور ایک ہی شخص کی ادارت میں شائع ہوتے ہیں؛ پہلا مسلمانوں کی اور دوسرا

ہندؤں کی زبان میں - ان دونوں کا اڈیٹر "سدا سکھ" نامی ایک لائق ہندو ہے' جو انگریزی میں بھی خاصی لیاقت رکھتا ہے اور کئی کتابوں کا مصنف بھی ہے۔ یہ اخبار بہت کامیاب ہوے کیونکہ ان میں دلچسپ مضامین اور خبریں شائع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور تاریخ' جغرافیہ' اوضیات اور تعلیم پر اکثر پر مغز و مفید مضامین نکلتے رہتے ہیں۔ ان اخبارات کا طرز تحریر بہت پاکیزہ ہوتا ہے لیکن بہت پر تکلف نہیں ہوتا' کیونکہ ان میں بڑے بڑے اور شاندار الفاظ و استعارات کا استعمال نہیں کیا جاتا جیسے مشرقی لوگ عام طور سے استعمال کرتے ہیں —

بنارس سے ایک اردو اخبار جاری ہوا ہے جس کا نام "آفتاب ہند" ہے۔ اس کے اڈیٹر بابو گوبند رگھو ناتھ ہیں جو سکھوں کی تاریخ اور دوسری قابل قدر تصانیف کے مصنف ہیں - یہ اخبار اپنے مخصوص طرز تحریر اور اعلیٰ سائنٹفک اور ادبی مضامین کی وجہ سے جو ہمیشہ اس میں شائع ہوتے رہتے ہیں' بہت مشہور ہے—

سنہ ۱۸۵۳ ء سے ایک اُردو جریدہ "فتح الاخبار" ضلع علی گڈھ کے قصبہ کوئل سے نکلتا ہے' جو با وجود اپنے شاندار نام کے بہت سادہ اور سلیس زبان میں شائع ہوتا ہے۔ اس میں علاوہ خبروں اور آگرہ کے سرکاری اخبار کے انتخابات کے' عدالتوں کے مقدموں کی کارروائی بھی چھپتی ہے—

مغلیہ سلطنت کے قدیم دارالسلطنت دہلی سے با وجود ان پانچ اخباروں کے جو وہاں پہلے ہی سے موجود تھے' تین اُردو اخبار سنہ ۱۸۵۳ ع سے اور جاری ہوے ہیں جن سے ان کی تعداد آٹھ ہو گئی ہے - حالانکہ قسطنطنیہ میں ترکی زبان کے صرف پانچ اخبار شائع ہوتے ہیں - نئے اخباروں کے نام یہ ہیں :—

"صادق الاخبار" جسے مصطفیٰ خاں مصطفائی پریس کے منیجر نکالتے ہیں - یہ پریس پہلے لکھنؤ میں تھا لیکن چند خاص وجوہ کی بنا پر یہ کار خانہ وہاں بند

کر دیا گیا۔ اس کے بعد مصطفی خاں نے اُس کی دو نئی شاخیں ایک کانپور اور دوسری دھلی میں قائم کیں۔ یہ پرچہ دھلی سے شائع ہوتا ھے۔ اسی نام کا ایک دوسرا اخبار فارسی زبان میں بھی شائع ہوتا ھے۔ دھلی کے دوسرے نئے اخبار "نور مشرقی" و "نور مغربی" ھیں۔ ان دونوں کا ایک ھی مقصد ھے' یعنی اھل ملک کو جس، بنی نوع انسان کے خیالات اور اصول سے با خبر کیا جائے۔ لیکن اپنے ناموں کے لحاظ سے پہلا مشرقی خیالات کا اظہار کرتا ھے اور دوسرا مغربی یعنی یورپین خیالات کا۔—

گوالیار سے ایک شخص لکشمی پرشاد جو وھاں کی حکومت کا ملازم ھے سنہ ۱۸۵۳ع سے ایک سرکاری اخبار نکالتا ھے جس میں دو کالم ہوتے ھیں۔ ایک اُردو میں اور دوسرا ھندی میں۔ یہی لائق شخص اس سے قبل بریلی سے ایک اخبار نکالتا تھا جس میں اکثر حقیقی ادبی دلچسپی کے مضامین شائع ہوتے تھے' مثلاً ایک مضمون میں دھلی اور لکھنؤ کی اُردو کا مقابلہ کیا گیا تھا۔—

ملتان سے علاوہ اس اخبار کے جو وھاں پہلے سے موجود تھا' سنہ ۱۸۵۳ء سے ایک اور اُردو اخبار نکل رہا ھے۔ اس کا نام "شعاع شمس" ھے اور یہ مہاراجہ ھلکر کی سرپرستی میں ایک لائق درویش غلام نصیرالدین کی ادارت میں شائع ہوتا ھے۔—

سب سے آخر میں سیالکوٹ سے ایک اخبار "چشمۂ فیض" کے نام سے ماہ جون سنہ ۱۸۵۳ع سے جاری ہوا ھے۔ پنجاب کے اس شہر اور ضلع (سیالکوٹ) میں جس قدر تعلیم کے فوائد کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ھے غالباً تمام ھندوستان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ کیونکہ "دی فرنڈ آف انڈیا" (The Friend of India) نے حال ھی میں یہ خبر شائع کی تھی کہ اس قرب و جوار کے نو سو پچاس دیہات نے وہ خاص ٹیکس جو حکومت برطانیہ نے دیسیوں کی تعلیم کے لئے قائم کیا تھا پیشگی ادا کر دیا' جس کی وجہ سے مجوزہ مدارس بغیر کسی توقف

کے فوراً کھول دئے گئے—

حضرات! میں ابتدائی یا اس سے بھی کم درجے کی سائنس کی کتابوں کے بارے میں جو سنہ ۱۸۵۲ و ۵۳ع میں صوبجات مغربی و شمالی میں شائع ہوئیں کچھہ نہیں عرض کروں گا - میں صرف اُن کتابوں کا تذکرہ کروں گا جو ادب' تاریخ اور فلسفے کے زمرے میں شامل ہو سکتی ہیں - لہذا اس حیثیت سے میں "چراغ حقیقت" کا نام لونگا جس میں صوفیوں کے مذہبی اصول سے بحث کی گئی ہے۔ یا "تذکرۃ التمکین" کا' جس میں مظاہر قدرت' قابل قدر آثار اور غیر معمولی جانوروں کا تذکرہ ہے - اس کتاب میں کسی قدر اخلاق و تاریخ سے بھی بحث کی گئی ہے - یا "عجائب روزگار" کا' جو در حقیقت اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن معلوم ہوتا ہے مگر نام بدل دیا گیا ہے - یا "مخزن قدرت" اور "الہیات السنائی" کا جو ایک ہی قسم کی کتابیں ہیں اور ان میں مذہبی نقطۂ نظر سے فطرت کی تصویر پیش کی گئی ہے—

مجھے آپ کے سامنے قوانین منو (Laws of Manu) کے اُردو ترجمے "منوس ہتا" کا اور عربی کے فاضل ادیب ابوالحسن بغدادی المعروف بہ قدوری کے رسالۂ فقہ کا' جس کا نام "مختصر قدوری" ہے اور رام چند کے رسالۂ "بھوت نہنگ" کا تذکرہ بھی کرنا چاہئے - یہ ہندو ادیب جس کا میں آپ لوگوں سے تعارف کرا چکا ہوں عیسائی ہو گیا ہے - اس کی اس کتاب کا مقصد ہندوستانیوں کو بھوت پریت پر عقیدہ رکھنے سے باز رکھنا ہے - یعنی دراں حالیکہ یورپ میں لوگ اس قسم کی ارواح سے حقیقی تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں' ہندو لوگ یوروپین اور عیسائی خیالات سے متاثر ہو کر اپنے ہم وطنوں کو ان پر عقیدہ رکھنے سے روکنے کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں—

میں اس موقع پر اخلاقی ناولوں کو فراموش کرنا بھی نہیں چاہتا - مثلاً "سدھی گبدھی" جس میں برے اور بھلے اخلاق کا فرق بتایا گیا ہے - یا "بنجارا"

جس میں صاف طور سے دنیاوی چیزوں کی بے ثباتی ثابت کی گئی ہے - یا فارسی " تاریخ کشمیر " مولفۂ محمد عظیم کا اردو ترجمہ - یا سبحان کی " تاریخ فقہاے اسلام " یا " یوسف علی خاں کا سفر نامۂ یوروپ " یا اس سے بھی زیادہ دلچسپ " هندوستان کے غیر معروف حصوں میں فرماں رواے اندور کی سیاحت "- آخر کی دونوں کتابوں کا شائع کرنے والا امین چند ہے --

سب سے آخر میں قابل ذکر کتابیں امام بخش صہبائی کی تصانیف ہیں ' جن کے نام " حدیقۃ البلاغت " " انتخابات نظم " اور " قواعد اردو " ہیں - ان کی قواعد اردو اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہے کہ اس کے آخر میں ضرب الامثال اور محاورات کی ایک فہرست درج ہے - مولانا صہبائی منشی عبدالکریم کے ہم عصر ہیں اور منشی صاحب اپنے تذکرۂ شعرا میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قابل مصنف دهلی میں فارسی کے سب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کئے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے دهلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر کئے گئے - یہ دهلی کے مشہور محلے " چیلوں کے کوچہ " میں رہتے ہیں - وہ ہمیشہ پرانی وضع کا لباس پہنتے ہیں : ان کی داڑھی سرخ رنگی ہوئی ہے اور چہرے پر چیچک کے نشان ہیں- اِس وقت اُن کی عمر ساٹھہ برس کی ہے --

سنہ ۱۸۵۲ - ۵۳ ع میں جو کتابیں ایسی شایع ہوئی ہیں جن کا تعلق تخیل سے ہے ' خواہ وہ اصل تصانیف ہوں یا دوسری ایشیائی زبانوں کے ترجمے ' ان میں سے میں صرف ذیل کی چند کتابوں کا ذکر کرتا ہوں :- " کرشن بالپن " جس میں کرشن کے بچپن کا حال نظم میں بیان کیا گیا ہے؛ محمد حسین کی " لیلی مجنوں" ؛ " سفینۂ ظرافت " جو ظریفانہ نظم و نثر کا مجموعہ ہے ؛ "شرح قصائد سودا " جو هندوستان کے زمانۂ حال کے شعرا کا بادشاہ مانا جاتا ہے ؛ " دیوان درد " جو گذشتہ صدی کے بہترین شعرا میں تسلیم کیا جاتا ہے ؛ "راماین " کا ایک خوبصورت هندی اڈیشن اور " انوار سہیلی " کا خلاصہ - انوار سہیلی فارسی ادب کی بہترین

کتاب ہے جس کا حال ہی میں بہت صحیح ترجمہ مسٹر ایسٹ وک نے انگریزی میں کیا ہے' جس سے ان کے ذوق سلیم کا پتہ چلتاہےاور جن کو ہم ان کے متعدد ادبی خدمات کی وجہ سے ایک نیا" تی ہیمر " (De Hammer) خیال کرتے ہیں —

حضرات ! میں یقین کرتا ہوں کہ آپ لوگ ہندوستان کے اُس انگریز حاکم کی رائے سے اتفاق نہ کریں گے جو اپنی رپورٹ مورخہ ۲۳ ستمبر سنہ ۱۸۵۴ ع میں ان کتابوں کا اور خاص کر " باغ و بہار " ' " گل بکاولی " ' " اخلاق جلالی " ' " زبدۃالخیال " ' " پریم ساگر " ' " ست سئی " اور " راج نتی " کا (جو میری رائے میں ہندوستانی ادب میں بہت نفیس کتابیں ہیں) نہایت حقارت سے ذکر کرتا ہے اور بچوں کا کھیل سمجھتا ہے جن سے دل و دماغ میں ہرگز اعلیٰ اور شریفانہ خیالات پیدا نہیں ہوسکتے —

وہ آگے چل کر کہتا ہے کہ " راج نتی " کے پڑھنے سے دماغ پر وہی اثر ہوتا ہے جو ایک مدہوش شرابی کو دیکھہ کر ہو سکتاہے-حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ کتاب " ہتوپدیش " کا صرف ہندی ترجمہ ہے ' جس کی فضیلت کا ہر شخص معترف ہے - اس انگریز کا خیال ہے کہ ہندوستانی لٹریچر کو انگریزی زبان کے ترجموں سے نیا جنم لینا چاہئے - غالباً وہ بھولتا ہے کہ انہی کتابوں میں بعض اس قدر دلچسپ ہیں کہ یورپ میں اُنہیں اس قدر قبولیت اور شہرت حاصل ہوئی کہ خالص یورپی کتابیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں - مثال کے طور پر میں صرف " الف لیلیٰ " کا نام لیتا ہوں - یہ دنیا کی نہایت دلچسپ کتابوں میں سے ہے اور پھر لطف یہ کہ اس سے ہمیں مسلمانوں کے رسم و رواج کا بھی علم ہوجاتا ہے - یہ صحیح ہے کہ یہ کتاب محض تفنن طبع کے لئے ہے ' لیکن کم از کم " گلی ورس ٹریولس " (Gullivers Travels) سے یقیناً کہیں زیادہ قابل وقعت ہے جس کے بارے میں ایک دوسرے انگریز افسر نے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کئے جانے کی رائے دی ہے —

حضرات ! میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جو کتابیں اس قدر حقارت سے دیکھی گئی ہیں وہ مفاد اٹھانے ہیں، لیکن تاریخ بھی بسا اوقات غلط ہوتی ہے اور اس کی غلطیاں زیادہ خطرناک ہوتی ہیں - جیسا کہ " بائی رن " اپنی نظم " لارا " میں لکھتا ہے :—

" ..... تاریخ کا قلم اس کی برائی یا بھلائی کو پورا کرتا ہے - وہ سچ کو طرح جھوٹ بولتا ہے اور اس کا جھوٹ بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے — "

انگریزی زبان سے جو کتابیں ہندوستانی میں ترجمہ ہوئیں ان میں ذیل کی کتابیں قابل ذکر ہیں - ریورنڈ جے اے شرمن کی " تاریخ متقد میں و متا خرین " ؛ گولڈ اسمتھ کی تاریخہائے روم و یونان یازمانۂ قدیم کے فلسفیوں ، مثلاً اسکندر ، دی ماس تھنیز ، سسرو وغیرہ کی سوانح زندگی جو پلوٹارک کے انگریزی ترجمے سے ترجمہ کی گئی ہیں - ایک کتاب جس کا نام " بحری و بری انکشافات " ہے ؛ مارش مین کی تاریخ انگریزوں کا تسلط بنگال ، سلطنت چین کی تاریخ جس کو جے ات کا رکورن نے جو ایک اینگلوانڈین اور پر جوش کیتھولک تھا ، مسونات ، مشنریوں کے یک طرفہ معلومات سے مرتب کیا تھا —

مشرقی علم و فضل نیز ہندوستانیوں کی دلچسپی کے نقطۂ نظر سے (جن کے لئے یہ کتابیں شائع کی گئی ہیں)، یہ بات بہت ہی قابل افسوس ہے کہ جن کتابوں کا انگریزی سے ترجمہ ہوا وہ تاریخ ، سیاست ، اور مشرقی ممالک کے مذاہب جیسے مضامین پر مشتمل ہیں - مثال کے طور پر ایک کتاب کا ایڈنبرا کیبنٹ لائبریری سے ترجمہ ہوا ہے اور وہ شاہان مغلیہ کی تاریخ ہے یا مثلاً ہندوستان کا جغرافیہ " مرے " کی " انسایکلوپیڈیا آف جیاگرفی " سے کیا گیا ہے ؛ یا تاریخ فارس جو " ماڈرن ٹریولر " کا ترجمہ ہے اور اسی قسم کی اور کتابیں ہیں - اس قسم کی کارروائی کے معنی حقیقتاً ہندوستان کو وحشی ملک سمجھنا ہے - کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہندوستانیوں کی بہ نسبت

اِن کے ملک کو زیادہ بہتر جانتے ہیں - اگر ہندوستان میں تحریری چیزیں نہ بھی ہوتیں تو اُس صورت میں بھی ہم اسے صحیح تسلیم نہ کرتے - اس کے علاوہ یہ بات بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ ہم کو جو کچھ بھی معلومات مشرق کے بارے میں ہے وہ مشرقی اصحاب قلم ہی کی بدولت ہے—

بعض اوقات یہ بھی ہوا ہے کہ اصل کا مطلب غلط سمجھا گیا ہے - نیز املا میں بھی بہت کچھ گڈ مڈ ہو گئی ہے - اگر ان خامیوں کے ساتھ اُن خامیوں کو بھی پیش نظر رکھا جاے جو ترجمے کے ساتھ لازمی ہیں تو ترجمے کا ماحصل حقیقتاً ایک بہت ہی نامکمل کتاب ہوگی جس سے ملک کے باشندوں کو اپنے وطن کی تاریخ کے متعلق غلط معلومات پیدا ہوں گی - اگر ہندوستانی زبان میں تاریخی کتابیں نہیں ہیں تو بھی کوئی وجہ نہیں کہ انگریزی کو فارسی پر ترجیح دی جاے' کیوں نہ فارسی تاریخوں کا ترجمہ کیا جاے یا کم سے کم فارسی تاریخوں پر اُن کی بنیاد قائم کی جاے - اور جو باتیں اس میں صراحت کے ساتھ غلط ثابت ہوں یا خلاف اخلاق تصور کی جائیں ان کو حذف کر دیا جاے - اس قسم کا ترجمہ آسان بھی ہو گا اور دیسی اہل قلم حضرات کی طبیعت کے موافق بھی - اس طریقے کے اختیار کرنے سے وہ اپنے ہی دائرے میں رہیں گے اور ترجمے میں جو فاش غلطیاں ہوتی ہیں اس سے محفوظ رہیں گے ورنہ ہوتا یہ ہے کہ مفہوم پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ مکھی پہ مکھی مار دیتے ہیں اور ہندوستانی الفاظ کا غلط استعمال کرتے ہیں؛ خاص کر ان مترجموں کے ہاتھوں ایسے یورپی خیالات اور تلمیحات کی بڑی مٹی خراب ہوتی ہے جن سے وہ بالکل نا بلد ہیں—

مثلاً آنریبل مسٹر ڈبلیو میؤر نے جو صوبجات مغربی و شمالی کی انگریزی حکومت کے سکریٹری ہیں "ٹیلرس ہسٹری آف محمڈن ازم" کے ترجمے کو جسے دہلی کالج کے چار معلموں نے کیا ہے' بڑے غور سے ملاحظہ فرمایا' وہ بھی میری طرح انہیں نقائص کے شاکی ہیں - اس تاریخ کے پہلے ہی باب میں ان کو ایسے جملے

ملے جو بالکل مبہم ہیں اور جن کا کوئی مطلب نہیں اور جو یقیناً غلط ہیں۔
ان میں سے اکثر کے متعلق انہوں نے اپنے نسخے کے حاشیے پر اشارہ کر دیا ہے۔ اس
لائق عہدہ دار کا بیان ہے کہ "یہ اور بھی زیادہ قابل افسوس اس وجہ سے ہے کہ
وہ تمام مسلمان جو اپنے ادب میں اچھی استعداد رکھتے ہیں ان غلطیوں کو فوراً
معلوم کر لیں گے اور اس سے ہماری تمام تصانیف اور ترجموں پر بڑا حرف آئے گا"—

ایک بات اور بھی ہے کہ اس ترجمہ کا کام محض مسلمانوں ہی کے سپرد
نہیں کیا گیا بلکہ چار میں سے صرف دو مترجم مسلمان تھے اور باقی دو ہندو۔
جن حصوں کا مسلمان پروفیسروں نے ترجمہ کیا ہے وہ خاصے صحیح ہیں؛ لیکن یہ
حالت اُس حصے کی نہیں جسے ہندؤں نے ترجمہ کیا ہے: اس میں عربی الفاظ کا
املا تک غلط ہے۔ اس کے علاوہ ان ابواب میں ہندو مترجموں نے یورپی مصنف کے
اُس طرز تحریر کو جو اُس نے قرآن اور اسلام کے متعلق استعمال کی ہے، نرم کرنے
کی کوشش نہیں کی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ جو مسلمان اسے پڑھے گا وہ
برہم ہوگا۔ حالانکہ پیغمبر (صلعم) اور مسیح کے ساتھ معمولی تعظیمی الفاظ برابر
استعمال کئے گئے ہیں، لیکن ان کا کتاب کے متن سے جوڑ نہیں بیٹھتا—

حضرات! میں اس سے غافل نہیں ہوں کہ اس قسم کی مطبوعات کی سرپرستی
سے حکومت برطانیہ کا مقصد محض یوروپین خیالات کی اشاعت نہیں ہے بلکہ اس کے
ساتھ مسیحی خیالات کی اشاعت بھی ہے۔ آخری مقصد نہایت قابل قدر ہے اور
اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا؛ مگر میرے خیال میں یہ مقصد دوسری طرح
بھی حاصل ہو سکتا ہے یعنی جیسا میں نے ابھی کہا ہے، مشرقی کتابوں کی اصلاح
سے۔ فلسفہ اور مسیحی اخلاق کی کتابوں کے ترجمے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ
اس قسم کا ترجمہ در حقیقت ہندوستان والوں کے لئے مفید اور نفع بخش ہوگا۔
اسی وجہ سے میں "رابن سن کروسو" (Robinson Crusoe) کے ترجمے کو اور
خاص کر "خدا کے وجود پر فنلن کے خیالات" (Thoughts of Fenelon on the

(Existence of God) کو جس کا ترجمہ "ای راونشا" (E. Rwenshow) کی انگریزی کتاب سے هندوستانی میں بہت لیاقت کے ساتھہ کیا هے' بہت پسند کرتا هوں- در صورت امکان میں یورپ کے بہترین ادبی کارناموں کے ترجمے کا بھی بڑا موید هوں- چنانچہ مجھے اس بات کے معلوم هونے سے بڑی خوشی هوئی کہ بنارس کے "سدهاکر" اخبار میں شکسپیر کے "مڈ سمرنائٹس ڈریم" کا هندی ترجمہ شائع هوا هے- یہ ترجمہ "سرچلنت آف وینس" کے بنگالی ترجمہ سے جسے خفیف ترمیمات کے بعد بالکل مشرقی بنا لیا گیا هے' بہت اچھا هے- اس میں شبہ نہیں کہ بہت جلد هندوستانی میں اس نامور انگریز ڈراما نویس کی بہترین کتابوں کا ترجمہ هو جاے گا اور کیا تعجب هے کہ اِس وقت دهلی اور آگرے کے تھیٹروں میں بہ مقابلہ پریس کے زیادہ کامیابی کے ساتھہ "میکبتھہ" کا قابل قدر المیہ کھیلا جا رها هو' اور هندوستانی اپنی هی زبان میں ان پاکیزہ اشعار کی داد دے رهے هوں جو نامور شاعر نے ڈنکن کے قتل کے بعد "میکبتھہ" کی زبان سے ادا کئے هیں—

قدیم اُردو

بیجاپور کے اولیاءاللہ کا ایک شاعر خاندان

(از اڈیٹر)

۲- حضرت شاہ برهان‌الدین جانم

حضرت شاہ میرانجی شمس‌العشاق کا حال پچھلے رسالے میں تحریر ہوچکا ہے - شاہ‌برهان‌الدین جانم قدس‌سرہ اُن کے فرزند اور خلیفہ تھے - علوم ظاهری اور باطنی کا اکتساب اپنے والد سے کیا- اپنے وقت کے بڑے عارف اور صوفی تھے - لوگوں کو اُن سے بہت فیض پہنچا - تصوف اور سلوک میں متعدد رسالے تحریر فرمائے - اکثر هندی زبان میں، جسے هم ابتدائی اُردو کہتے هیں، تلقین فرماتے تھے جو اُن کے رسائل سے ظاهر هے —

مؤلف روضۃالاولیاے بیجاپور نے اُن کی تاریخ وفات صرف پانزدهم جمادی‌الاخری لکھی هے، سنہ نہیں لکھا هے - تذکرۂ اولیاے دکن کے مؤلف نے آپ کے وصال کا سنہ ۹۵۰ هجری لکھا هے - لیکن یہ صحیح نہیں معلوم هوتا، کیونکہ اُن کا ایک رسالہ (جس کا ذکر آگے آئیگا) سنہ ۹۹۰ هجری کا تصنیف هے-اور چونکہ یہ سنہ اُنہوں نے خود اپنی نظم میں لکھہ دیا هے، اس لئے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رهتی - همارے خیال میں یہ اُن کی آخری تصنیف تھی اور اسی سال میں انتقال فرمایا - علاوہ اس کے اُن کی ایک نظم نکتۂ واحد کے نیچے اُن کی زبانی دو " فرمان " لکھے هیں جس میں سے ایک کی تاریخ ۹- ماہ صفر سنہ ۹۹۷ هجری اور دوسرے کی

ماہ صفر سنہ ۱۱۰۷ ھجری درج ھے۔ اس سے بھی صاف ظاھر ھے کہ وہ ان سنین میں زندہ تھے والد ماجد ھی کے مقبرے میں مدفون ھوے جس کی تصویر پچھلے رسالے میں شایع ھوچکی ھے۔ ان کا عرس ۱۶- جمادی الاخری کو ھوتا ھے—

میرے پاس ان کے کلام کا بہت بڑا مجموعہ ھے۔ ان میں سوائے ایک کے باقی دس سب منظوم رسالے ھیں جو تصوف سلوک کے مضامین پر لکھے گئے ھیں۔ ان کے علاوہ بہت سے دھرے خیال اور مختلف چھوٹی نظمیں ھیں۔ ان میں سے ھر ایک کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ھے—

۱- وصیت الہادی - اس میں ذکر جلی، ذکر قلبی، ذکر سری اور اسی قسم کی سلوک کی باتوں اور روح کا ذکر ھے۔ شروع میں دوشعر حمد میں ھیں :—

سکت قادر قدرت سوں سمجھے تجھہ کوں کوئی کیا
جس کوں اوزٹھ* دیوے راہ کھیا پھدی من پشا
بہ روپ برکس آپ چھپایا کوئی نپایا انت
مایا موہ میں سب جگ باندھیا کوں کر سوجھے پنت

اس کے بعد دوشعر نعت کے ھیں :—

کیا محمد جگ میں پیارا جستھیں † سمجھی راہ
شیطان مدعی پکڑیا ہات کیوں کرسکیں جاہ
محمد جس کی پیت پتھنکا اس کوں کیا ھے تر
نت اوتھہ سمریں دل میں اس کوں کلمہ جپنے کر

اِس کے بعد شریعت پر قائم رھنے کی ھدایت کی-دوئی کا اور شیطانی مقامات کا پتہ بتایا ھے اور امر بالمعروف اور انہی عن المنکر کا رستہ سمجھایا ھے - کہتے ھیں :—

---

* چاہ — † جس سے —

امر خدا کا لیاؤ بہا توں نہی تھی ملکر ہونا
مقام شیطانی جس کوں کہنا دل تھی سارا دھونا
چلنے کا تو نیم نہوے یہ توشا پہوکت کھایا
اس دھات عمر خرچ کیتا آخر پھر پچھتایا
تو نفس سوں زهد تقوی راکھیں شرع محمد آوے
ہوفت مشغول ذکر جلی سوں منزل ناسوت پاوے

یہ کہہ کر وہ اپنا ذکر چھیڑ دیتے ہیں ۔ آخری شعر یہ ہے :—

ظاہر باطن کا وہ دانا سکتا ہے سبحان
سب پرشاهد مطلق بینا تجھہ پر لیہ برهان

۲- ایک نظم " سُک سُہیلا " کے نام سے ہے ۔ جس کے معنے ہیں سُکھہ کا گیت- سہیلا اصل میں ایسی نظم کو کہتے ہیں جو تعریف میں ہو ۔ یہاں اسے روحانی معنوں میں لیا ہے ۔ اس نظم کا ہر چوتھا مصرعہ یہ ہے :—

لوکاں یہ مت کیچ الادھی جس بوجھہ بختوں لادھی

مثلاً :—

گُن آدم کا نہ ہات چڑھے رے کیوں کہنا انسان
صورت پر اعتبار نراکھیں جیسے ہیں حیوان
بلکہ ان تھی گمراہ کر یوں قرآں میں فرمان
لوکاں یہ مت کیچ الادھی جن بوجھہ بختوں لادھی

اوپر کی مثال میں آپ نے دیکھا کہ کس طرح هندی اور عربی کے لفظ آپس میں کھلے ملے ہیں ۔ اسی سے ہم اسے ابتدائی اُردو کہتے ہیں ۔ اسی نظم کی ایک دوسری مثال لیجئے جو پوری هندی ہے اور عربی فارسی لفظ کا نام نہیں :—

پنتھہ اکاس کا ویلکم جانے جل کا مارگ • میں +
سادھو کا افت سادھو جانے دوجھ کوں نہیں چین
ایسا سادھو بھا کوں لہیں تو چرنو رھنا لین
لو کاں ید مت . . . .

یہ حقیقت میں وہ زمانہ ھے جب اردو بن رھی تھی - اس نظم میں کل ۲۲ شعر ھیں اور معرفت کی عام باتیں ھیں جو شاہ صاحب نے اپنے مریدوں کی ھدایت کےلئےفرمائی ھیں —

۲— ملفعت الا یمان —

شروع دو چار شعر حمد میں ھیں —

الله واحد سرجنھار دوجگ رچنا رچیا اپار
سگلا ؛ عالم کیا ظہور اپنے باطن کیرے ظہور
دیکھن جونوھی لایا جگ نہ سمجھی اس کوں ٹک
غفلت کیتا پردہ آز سب جگ لیتا اس میں آز ؟
بونوں خلق دیا بچار بھولا سب جگ غفلت مار

نعت :—

نبی کیری بھولے راہ اُن میں تھوڑے حق آگاہ
جس کوں ھووے ارادہ حق تو وہ بوجھے حق مطلق

اس کے بعد ملحدوں کے مختلف عقائد بیان کئے ھیں اور یہ سب بیان کر لے کے بعد اُن کی تردید کی ھے اور مریدوں کو اس سے بچنے کی ھدا یت فرمائی اور خدا کی توحید اور اس کی عظمت کا بیان کیا ھے - یہ نظم بہت صاف اور چھی ھے - مثال کے طور پر دوچار شعر ملحدوں کے عقائد کے متعلق اور دوچار صیحت کے بیان سے نقل کئے جاتے ھیں :—

• رستہ † مجھلی ‡ سب § پڑاہ

کوی کہیں سب عشق تمام عشق کی انگھیں●کیاھےفہام□
عشق لیا ھے سب پھر باس عشق توی سگلا بھوگ بلاس
بعض آکھیں اپلی بوجھ معلوم نہیں کچھ اس کی سوجھ
ایک جمع سب پکڑیا بار جونکے بیچ تھی نکلیا جھاڑ△
کانٹا چھانٹا پھل اور پھول شاخ برگ سب دیکھ اصول
ایک جمع کو راکھیں بار بیج بنے کا نا ھیں بھار
ایکی ابجین بیج اپار بیج بنے سو سگلا جھاڑ
کوی کہیں یہ دیکھ مقیم یو سب عالم ھے قدیم
نہ اس خالق مخلوق کوے جیسا تیسا سمجھیا ھوے

نصیحت کے بیان سے چند شعر لکھے جاتے ھیں --

ایسا مالک ایکہ ھوے ملکت نا ھیں دوجا کوے
جے اس شرکت ھوتا آد ھوتا کل جگ مانہ فسد
جے ایک شاہ پر دوجا اور تو اس غوغا اگلا شور
کدرے㉙ ملک تھی امن امان حاکم حکم یوں کرنا جان
وہ سب شاھد عالم کا مالک وہ جگ سالم کا
نروپ نردھار ررپ بسے سب جگ ادھار وھی دیسے
قدرت سوں کرسب جک زیر جوں اس بھاوے دیوے پھیر
ایسا بیچکو نہ جان اس پر لیا ویں کون ایمان

آخری شعر یہ ھے :—

بندے سگلے ناتواں اللہ راکھے آپ پلھاں ≡
یوں فرماے شاہ برھان اس میں آھے نفع ایمان

● آگے □ فہم △ درخت ㉙ مفقود ھونا ≡ پناہ

اس نظم میں کوئی ایک سو بیس شعر ہیں—

۴- نکتہ واحد-

یہ نظم بارہ شعر کی ہے جس میں توحید کی تلقین ہے اور ہر حرف ابجد سے کوئی لفظ بنا کر ہدایت فرمائی ہے۔ پہلا شعر یہ ہے—

نکتہ واحد اپیں احد ہے الف ذات الله صمد ہے

ب بہو* روپ کر آپیں ایکہ ت تمام سے پرگٹ لیکھہ

اسی طرح 'ی' تک لکھتے چلے گئے ہیں—

اسی کے ساتھہ دوسری نظم بھی اسی قبیل کی ہے۔ اس میں بھی ہر شعر کی ابتدا میں حرف ابجد ہے اور اس سے لفظ لیکر شعر کہا ہے۔ مثلاً

الف ایمان اند پر لیاؤ ان سب جگ نپایا

ایسی قدرت بہ بہانت رہیا آپس آپ چھپایا

ز زینت دنیاں کا چھوڑیں زحمت جاوے نہاس+

زیادتی تو ہت نہ آوے زیان انپڑے پاس

اس میں کل انتیس شعر ہیں۔ عربی حروف ابجد اٹھائیس ہیں۔ لیکن آخر میں ایک شعر 'پ' کا اور بڑھا دیا ہے۔ وہ یہ ہے—

پ پورا جے طالب ہوے پرنور اس کا دل

پاک پند شا بوھاء آکھے پیارے حق کے واصل

۵- نسیم الکلام-

پہلے قرآن کی ایک آیت لکھی ہے، پھر اس کا مطلب اپنی زبان میں ادا کیا ہے۔ آیت کے ساتھہ کہیں حدیث بھی لکھہ دی ہے۔ دو چار شعر اس طرح لکھہ کر پھر وہی مطالب بیان کئے ہیں جو بعض اوپر کی نظموں میں ہیں۔ اس میں کل ۴۵ شعر ہیں—

---

* بہت + بھاگ

۶ - رموزالواصلین -

یہ نظم بھی اُسی قسم کی نظموں میں سے ہے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے - اس میں نور، روح، دل و نفس کی شناخت کا ذکر ہے اور اُن کے مقام فنا و خدا سے بحث کی ہے - مراقبۂ نفس، مراقبۂ دل، مراقبۂ روح اور مراقبۂ نور کے اصول بتاے ہیں اور اس کے بعد محققانہ گفتگو فرمائی ہے اور وصل و فراق، اعلیٰ عاشق اور ادنیٰ عاشق، تجرید و تفرید کا بیان فرمایا ہے - یہ سب کچھہ ہے لیکن کوئی خاص ایسی بات نہیں جس کا ذکر یہاں کیا جاے - نظم اس طرح شروع ہوتی ہے—

الله پاک منزہ ذات   اس سوں صفتاں قائم سات
علم، ارادت، قدرت ہار   سنتا، دیکھتا، بولنہار
حي صفت یہ جان حیات   اس کوں ناهیں کد مہات
ایسیاں صفتاں سوں ہے ذات   جوں کہ چندنا چاند سکات
احدیت وہ ذات اپیں   بعد از صفتاں اُس پچھیں

نظم کے آخر میں نظم کا نام بھی بتا دیا ہے—

یو سب بولیا مختصر   جن وہ لوڑے دے نظر
نانوں ہے رموزالواصلین   سالک پر دیکھہ آے یقین
....
تمت اس تھی کیا تمام   حق تھی بولیا حق کلام
رموزالواصلین کہی بیان   بلدگی حضرت شاہ برهان

۷ - بشارت الذکر -

اس نظم میں ذکر جلي و خفی، قلبی و روحی کا ذکر ہے - سات شعر ہیں جس کا اظہار انہوں نے خود کر دیا ہے - آغاز یوں کیا ہے—

الله اسم ذاتی دهوں جگ ازل   جلی هم خفی در کیا ہے فضل
شرت نام دیتا سہسر اُپر   ملائیک جن جکتر اُپر

دھوں جگ سمریں اللہ گیک نام   کہ مخلص و عابد جپے ہیں مدام
خلیل محب صادق ولی اتقیا   اسی نام سیتی محیط دل کیا

آخری شعر یہ ہیں:

یہی حال واصل تو بوجھیں صفا   کہ رمزی خفی ہے صفا در صفا
نظم دیکھہ کیتا گنت سات ید   یک یک آن موزوں کیا پات یہ
حلاصا مذکور نمودہ تمام   بفضل النبی علیہ السلام

۸ - حصص البقا -

اس نظم میں خدا کی توحید اور اس کی ذات اور صفات کی تلقین ہے۔ شروع یوں ہوتی ہے--

آپ واحد وہی یکت   دیکھہ قدرت کیا بکت
ہے دھاو • اس کے پنتھہ   نہ سمجھا کس یہ انت
ان اپیں اپرم پار   نہ کھوجت پاویں تھار
بھیچو چکونہ جان   کیوں کرتا اس بکھان
جے نظروں دیکھہ نہ آرے   نہ بوجھیں بوجھیا جاوے
یہ معما بہت فکر   جے دھاوے اس کی دھیر

آگے چل کر یہ نظم سوال و جواب کی صورت میں ہو جاتی ہے - سوال طالب کی طرف سے ہے اور جواب مرشد کی جانب سے - اس کی صورت انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ ایک طالب تھا جسے علم کا غرور تھا اور سر میں خودی سمائی تھی، مگر چونکہ کسی سے ارادت اور محبت نہ تھی اس لئے بے بہرہ تھا - مرشد کی ہدایت نہ ہونے سے اس کا سارا علم اور اس کی ساری ریاضت بیکار تھی - اس نے سنا کہ کسی جگہ ایک مرشد کامل اور صاحب عرفاں ہیں - اسے ملنے کا شوق پیدا ہوا اور دل میں یہ خیال آیا کہ اسے چل کے آزماؤں - چنانچہ

• دوڑ ے

وھاں پہنچا اور اُن نے سوال کرنے شروع کئے اور مرشد نے اس کے جواب دئے۔ آخر میں وہ قائل ہو گیا اور سارے شکوک رفع ہوگئے اور مرشد کے پاؤں پر گر پڑا —

طالب کا حال وہ یوں بیان کرتے ہیں :—

آپ خودی کی مت لیتا کہیں یک چت سیوا نہ کیتا
فاست کا گرو میلایا جھ پھوکت * جرم گلوایا
بھو بھوں بکار میں ماتا اور تفصیل میں ڈہ دھاتا
اور علم پڑھیا تمام سارا بن مرشد تھا بے بارا
وہ زھد شرع ور زور پن دل کی بیتی اور
اور دایم صلات صیام نہ بن بندگی دوجا کام
وہ جپے ورد مدام کچھہ تاثیر مکھہ کلام
کرے جہد ریاضت ساری بن مرشد پرھیزگاری

....

ولے بولا بولے بول دل اندھا سینہ پھول
جوں علم ابلیس کیتا کیا فائدہ آخر لیتا

....

بے ارشاد خالی کام سب کھنت پھت دیکھہ تمام
لی† ایسی اُن مت پایا آپ کر بھوں آپ سمایا

مرشد کی کیفیت یوں بیان کی ہے :—

یک مرشد مستحق درستی مستغرق
وہ صاحب توحید اور تجرید کا تفرید

---

* فضول - مفت میں - † بہت -

اور خلوت کرے مدام ۔۔۔ نہ کس سوں اس کا کام

وہ دوست حبیب اللہ ۔۔۔ کی مرشید ھادی اللہ

اُن سنیا ایسا جب ۔۔۔ اس دیکھنے کیا طلب

اس کے بعد اُن کی بحث اور سوال و جواب شروع ہوتے ہیں، آخر طالب قائل ہو جاتا ہے اور جب :

اور ہوا تسلی دل ۔۔۔ ہو رہیا وصل مل

اُن پایا آنند سکھ ۔۔۔ تو بولیا اپنے مکھ

"میں ثابت لیا ایمان ۔۔۔ سب ٹوٹا مجھ گمان

مجھ کدرے دل کے بھول ۔۔۔ جے حق لیا و قبول

حق پایا جے مکھ تجھ ۔۔۔ من مراد حاصل مجھ"

یوں کہہ پکڑیا پانوں ۔۔۔ "مجھ تیری ہونا چھانوں"

اس کے بعد وہ جہل و الحاد کو ترک کرکے پیر کے گن گانے لگتا ہے ۔ نظم کا خاتمہ ان اشعار پر ہوا ہے —

یو (جانم) لکھیا بول ۔۔۔ لیہ یک یک معنا کھول

جی سنکر پکڑیا یاد ۔۔۔ لیا کیتا سب سواد

جے ہوویں اوک عوام ۔۔۔ بے مرشد بے فہام

جے برتیں خود قیاس ۔۔۔ نہ بوجھیں راسک راس

اس نظم کے کل اشعار (۸۰۵) ہیں —

۹- ایک نظم اس نام سے ہے :—

" مسافرت شیخ خان میاں و بیان خلاصۂ حضرت شاہ برہان صاحب "

خان میاں ، حضرت شاہ برہان کے مرید معلوم ہوتے ہیں ، انھوں نے جو جو مقامات طے کئے ہیں اور وہاں جو جو کچھ دیکھا ہے اُسے " مسافت " کے نام سے موسوم کیا ہے ۔ ہر مسافرت کو ایک شعر میں ادا کیا ہے ۔ اس کے بعد

" بیان خلاصہ " کے نام سے حضرت شاہ برہان نے اُن مشاہدات کی تعبیر کی ہے جو خان میاں نے ہر ہر مقام پر دیکھے ہیں اور جنہیں وہ خود پوری طرح نہیں سمجھے - لیکن یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ اشعار بجنسہ شاہ صاحب کے ہیں یا خان میاں نے اپنے پیر کے ارشادات کو نظم کردیا ہے - قیاس یہ ہوتا ہے کہ خان میاں نے اپنی مسافرت لکھ کر دی یا بھیجی اور شاہ صاحب نے اس کے جواب میں اس کی تعبیر بیان کی - لیکن نظم کا خاتمہ پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نظم کا لکھنے والا یامرتب کرنے والا کوئی شخص راجو نام ہے اور وہ بھی شاہ برہان صاحب کا مرید ہے چنانچہ وہ کہتا ہے :—

راجو بولے بیان خلاصہ حقیقت کی بات
خان میاں مسافرت کیتے یکبیس اور سات
دل میں فکر کر اس کا معنا لکھیا میں کچھہ یاد
دل کیاں آنکھیاں جس کوں ہوئیں وہ سن ہوے شاد

اس سے یہ امر مشتبہ ہوگیا ہے کہ " بیان خلاصہ " کے نام سے جو اشعار لکھے گئے ہیں وہ شاہ برہان کی تصنیف ہیں —

۱۰ - ارشاد نامہ

یہ شاہ برہان کی سب سے بڑی نظم ہے - اس میں تقریباً اڑھائی ہزار شعر ہیں - پہلے حمد میں کچھہ شعر ہیں —

اللہ سنوروں * پہلیں آج کیتا جن یہ دھوں جگ کاج
جگتر کیرا توں کرتار سبھوں کیرا سرجنہار
....
ترلوک نرجے سمریں مل نت بکھانے ہو تلتل†
سب جگ روں روں‡ ہوے کلام جپیں ہردم لاکھوں نام

* سراہوں † ہر لحظہ ‡ رواں رواں

سہتہ● سمدر † سیاھی بھریں — سب روکھہ تنکے قلم بھریں
دھرتی آکاس کئے پتر — لیکھن بیٹھے کریں چتر
تہاست لک جہ کریں بھتنت ‡ — ناتجھہ قدرت ہوے گنتنت §

....

ایسا رچھیا دیکھہ منداں § — کیتا چند یں لکھہ جہاں
دھرتی کیتا اور اکاس — سنکت دوجا نا اس پاس
چندر سورج چندنیاں ... ات — کیتا مانس دین اور رات
اور ملائک حور پری — باراں بحر خشک تری
رچیا دوزخ اور جنت — نیکی بدی کیا گنت
اچھا اپنی کیا جگت — کس دیہ بندھن ⌘ کسی مکت ●
سب کی پورے ‖ من کی آس — اچھیا لوڑیں ⊕ بھوگ بلاس
سب کی کیلی ⌑ ترے ہات — جوں تجھہ بھاوے ہرہر دھات ⊙

اس کے بعد نعت میں کچھہ اشعار لکھے ہیں - مثلاً :—

ختم نبوت جس کا نام — بھیجیں درود اور سلام
اب میں سنوروں کروں بکھان — نازل ہوا جس فرقان
احمد محمد جس کا نانوں — روز قیامت اس کا چھانوں
پرگٹ کیتا جس اسلام — دھوں جگ سمریں جس کا نام

نعت کے بعد اپنے پیر اور والد میرانجی شمس العشاق کی صفت بیان کی ہے :—

● سات — † سمندر — ‡ بھتیئی — § کسی
§ دنیا - کائنات — ⊕ سہارے — ⚲ مرضی — ⌘ غلامی
● تاج — ‖ پوری کرے — ⊗ خواہشیں — ⌑ کلنجی
⊙ طرح ، قسم

صفت کروں کچھہ اپنا پیر جستھی روشن ہوی ضمیر
دھوں جگ سانہ مجھہ میت وھی سمروں لیہ سن نیت وھی
تس کوں سمریں تن من شاہ جس کا آھے مجھہ پر ساہ
جگ میں آھے تہیں رتن ہردیں④ میں لیہ کروں جتن
واکھیا کندن کر اس ٹھانوں تلتل سمروں نیہہ اس نانوں
پیر میرانجی شمس العشاق دھوں جگ رب تجھہ کیتا کشاف
شاہ میرانجی منجہ ھے پیر ھے گنونتا گیان گھنبیر
آھے تیری یہ بنیاد چشتیاں کیرا ھے خانواد
جے کوئی آھیں اندر چشت ان کوں آکھیں اھل بہشت
پیر وھی منجہ ھے مرشید نت بکھا نے ان توحید
سنتیں کھولیں دل کے پاٹ روشن ہوے حقیقت بات

پیر کی صفت وثنا کے بعد وجھہ تالیف کے متعلق کچھہ شعر لکھے ھیں اس میں شاہ صاحب نے اپنے پیر و مرشد اور والد ماجد کی طرح⊙ " ھندی " میں لکھنے کی وجہ اور معذرت کی ھے اور لکھا ھے کہ ظاھر پر نہ جاؤ اور باطن کو دیکھو ۔ لفظوں کو نہ دیکھو اور معنے پر خیال کرو ۔ ھندی لفظوں میں کوئی عیب اور خرابی نہیں ھے ۔ اس سے ظاھر ھے کہ ان کے زمانے میں عالم اور ثقہ لوگ اس زبان میں لکھنے سے احتراز کرتے تھے بلکہ عیب خیال کرتے تھے ۔ فرماتے ھیں --

عیب نراکھیں ھندی بول معنے تو چک دیکھہ ڈھنڈول
جونکے موتی سمدر سات تابر میں جے لاگیں ھات

---

④ ہردے ⊙ ملاحظ ہو اردو جلد ھفتم حصۂ بست و ششم (بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۷ع)

کیوں نہ لیوے اس بھی کوے — سہانا٭ چطور† جے کوئی ہوے
ہیں سملہ‡ کے موتی یو — گیان رتن کے جوتی یو
گیویا یو ہے شفقت سوں — جتن راکھیں شفقت سوں
جیو کے سنکے دھاگے سوں — محبت کیرے دھاگے سوں
موتیوں کیرا تہا انبار — پرو کیتا ہاریں ہار
گوہر جے کوئی ہوے شناس — سو ہی چن چن لیوے خاص
ارشاد دیا اس کا نام — لوڑے⊕ فکر اسے مدام
ہندی بولوں کیا بکھان — جے گُر پرساد تہا سنج گیان

اس کے بعد کتاب کے مضمون سے اطلاع دی ہے—

شریعت طریقت حقیقت سوں — مجمع لیا یہ معرفت سوں
ہے کچھ کیتا اس میں سوال — جواب 'نیڑیا' ہے در حال

اب اصل کتاب شروع ہوتی ہے اس کی صورت یہی سوال و جواب کی ہے۔ سوال طالب کی طرف سے اور جواب مرشد کی جانب سے۔ اس میں وہی باتیں ہیں جو صوفیا کے کلام میں بار بار دہرائی گئی ہیں اور خود ان کے کلام میں بھی کئی بار آچکی ہیں۔ مثلاً حدوث و قدم، ذات و صفات، جبر و قدر، روح و نفس، کفر و اسلام، دوزخ بہشت، شہود و وجود، دیدار الٰہی، سلوک، عرفان اور مقام شیطانی وغیرہ وغیرہ —

تصوف ہماری ادبیات، معاشرت اور زندگی کے ہر شعبے میں رچا ہوا ہے (شاید ہماری سیاسیات بھی اس سے خالی نہیں ہے)، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک لاش ہے جس میں روح کا نام نہیں اور جسے ہم صدیوں سے پیٹتے چلے آتے ہیں۔ یا ایک شاندار درخت ہے جو اندر سے کھوکھلا ہو گیا ہے؛ کہنے کو درخت ہے مگر صرف ایندھن کے قابل رہ گیا ہے۔ یا ایک خوبصورت اور نامور عمارت کا کھنڈر ہے

٭ سہانا † چتر ‡ سمندر ⊕ چاہے

جس کی تعریف کردینا ہی ہمارے ذوق سلیم کی دلیل ہے - یا ایک قبر ہے جو اپنے
پر عظمت گنبد کی وجہ سے بچ رہی ہے - بہت سوں نے اسے اپنا پیشہ بنا لیا ہے -
پیشے کی بدولت بہت سی مقدس چیزیں کھیل تماشا بن کر رہ گئی ہیں - یہ بھی
محفل کے گرمانے کے لئے ایک لطیفہ ہو گیا ہے - تصوف اب اس کا نام کہ چند
اصطلاحیں یاد کرلیں یا چند آسن یا ذکر رٹ لئے اور نہیں تو کم سے کم لباس ہی
میں جدت پیدا کرلی - حسن و عشق کے چرچے میں جب کچھ مزا نہ رہا تو تصوف
نے ہماری غزلوں میں چاشنی پیدا کر دی - کسی شعر میں تصوف کی اصطلاح کا
آجانا ہمیں وجد میں لانے کے لئے کافی ہے - مایوسی اور ناکامی، غفلت اور کاہلی
کا سہارا اب یہی رہ گیا ہے - اور کیا ستم ظریفی ہے کہ ریا کا دشمن خود ریا کے
لباس میں جلوہ گر ہے - اور اب تو اس کی لے اس قدر بڑھتی جاتی ہے کہ شاید
چند روز میں ہمیں اپنی یونیورسٹیوں میں اس کے لئے کوئی ڈگری قائم
کرنی پڑے—

غرض، تصوف ایک قسم کی روحانی منطق ہے جو لفظی داؤ پیچ اور مبہم
بیانات کا مجموعہ ہو گیا ہے - اسی قسم کے بیانات اور نظموں میں بھی ہیں
جن سے نہ تزکیۂ نفس کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور نہ اخلاق پر کوئی اثر پڑتا ہے -
مگر ہمیں ان مسائل سے کچھ بحث نہیں ہے - ہمیں اس کلام سے اردو زبان و ادب
کی تاریخ میں مدد ملتی ہے اور یہ ہمارے مقصد کے لئے کافی ہے—

نظم کے آخر میں شاہ برہان نے اس کا سنہ تصنیف بھی بتا دیا ہے اور
جہاں تک ہمارا قیاس ہے یہ اُن کی آخری تصنیف ہے اور غالباً اسی سنہ میں
اُن کا انتقال ہو گیا - وہ اشعار جن میں اُن کے نام اور سنہ کا ذکر ہے، یہ ہیں :-

یہ سب بولیا ہے انجان   عابد عاجز ہے برہان
ہجرت نہ صد نود سال   ارشاد نامہ لکھیا جان

کتابت اس نظم کی ۱۳ صفر سنہ ۱۰۶۸ ہجری میں ہوئی—

علاوہ ان نظموں کے شاہ صاحب نے بہت سے خیالی، دھرے بھی لکھے ھیں، جن کی ایک اچھی خاصی تعداد میرے پاس موجود ھے۔ ھر دھرے کے ساتھ اس کی راگ راگنی بھی لکھہ دی ھے۔ اس سے معلوم ھوتا ھے کہ شاہ صاحب کو موسیقی سے خاص ذوق تھا۔ خاندان چشتیہ کے بزرگ موسیقی کو مباح ھی نہیں سمجھتے بلکہ روحانی ذوق پیدا کرنے اور روحانی مدارج طے کرنے میں اسے بہت بڑا ممد خیال کرتے ھیں۔ دھرے ھندی بحروں میں اور ھندی طرز کے ھیں، جن میں روحانیت اور عشق و محبت کا راگ لگایا ھے۔البتہ ان میں بھی اُن کی دوسری نظموں کی طرح ھندی الفاظ اور اصطلاحات کے ساتھہ کہیں کہیں فارسی اور عربی لفظ اور اصطلاحیں بھی پائی جاتی ھیں اور جس طرح ظاھر میں ھندی، فارسی اور عربی کے میل جول کو ظاھر کیا ھے اسی طرح باطن میں ھندو مسلم خیالات اور تہذیب کے ارتباط کا رنگ بھی نظر آتا ھے۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ صوفیا نے ھندو مسلم تفرقے کے گھٹانے، امتیازات کے مٹانے، خیالات کی اصلاح کرنے اور آپس میں میل جول بڑھانے میں بڑا کام کیا ھے۔ جب سے اس فرقے کے ھادی پیشہ ور ھونے لگے اور اُن کے دلوں کی قوت گھٹ گئی، تو اُن میں وہ اثر بھی باقی نہ رھا —

خیالوں کے بعض اشعار نمونے کے طور پر یہاں لکھے جاتے ھیں :—

اب سندیسا مجھہ ھے شہ کا	جب کب بھاگوں انتر ملے
پھر پرم کے ھیڑے میرے	نینو ساند جوں کنکر ملے
نس دن جاگے برہ ماری	نہ نیندا دیکھے نین پڑے
پلکھیں میری آگ بلے کیوں	سپنے دیکھوں سوے کھڑے
قول پیا تجھہ آس لگی من	آس لگی تجھہ پاس رھیں
جب کا جھانسا تین مجھہ لایا	یک تل نہ مجھہ ساس رھیں
نہ کا پھنسا مجھہ کوں لا گیا	لوک دیوانی دیکھہ ھنسیں
جگ کی ھانسیں کیا مجھہ ھوے	کھو سریجن کہاں بسیں

نس دن پیئے چنتا تن ماس سب گلے کا
گھڑی پہرت سو بیری سل دل کا ہو سلے کا
جل بل سو دوکھہ روتی نینو سو انجو جوتی
پلکاں سوں بند موتی گل ہار ہو تھلے کا
پئے کے سروپ مکھہ تھی گدری سو اپنی سوکھہ تھی
شہ کے فراق دوکھہ تھی تن من جیو جلے کا
پئے سل مجھہ بساری بیدھن * لگیا سو کاری
تلتل کروں سو زاری کیوں پئے سوں ہات چلے کا

شاہ صاحب کے دھروں کی نظم کی دو ایک مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں —

جب لک تن نہیں چھوڑیا جیو کوں تب لک ہونا دور
جب لک نظر نہیں چھوڑی آنکھہ کوں تب لک ہونا نور
جب لک سپنا نہیں چھوڑیا کان کوں یو سب اعضا حال
جب لک فہم نہیں چھوڑیا دل کوں یو جہت ہو نرال
یوں سب تن میں من برتن دیکھہ چھوڑیرا ے سکھہ دکھہ
دکھہ سکھہ دونوں یک کرسی تو پاوے سہج کا سکہ

پیاری توں کہہ نہ بھولی کس سنگ، تغیر دستا تیرا رنگ
جیوں آئنہ پکڑیا زنگ، عاشقی کے ایسے تھنگ
جس بھولی توں جگ بھلایا ایسی بھولی بھول
اُس بھولی سو پھول کھلے کبھیں نہ ہوے مقبول
ادگ حور تھی اُس کا اوسول [اصول ؟]

---

* چوٹ — چرکا۔ —

بھولنا اُس کا جیوں زلیخا بھولی یوسف گھاں
سب تھی اپسیں دور کرنا کہی لاّئی اُسی سوں دھیان
تو پائی سب میں سائی پھر خالق نے کیا جوان
آکھیں [جانم] پرت سب سوں ھے نہیں کوئی اس تھی بھار
او زرا • ھے سب میں ظاھر ساریوں اظہار
کرو پرت یوں ھو نہار' عشق قوی ھے قائم قرار

ھو ل پڑی اس نگر میں ساتی بچھڑیا میرا
پوچھیں سندیسا سجکوں حال کیا ھے تیرا وغیرہ

آپہیں دوکی ' سب جگ چیلا
آپہیں ایک نات رھے یکھلا
اپنی اچھیا کر سب چیلے نپایا
نیکی بدی دے دو مدرے • بھایا
کامہ نبی کہ پلتہ مارگ لایا
تن کا کنتھا کر سب چیلوں پلھایا
بندگی بھبوت کرنت اتّھہ لایا
یقیں جوگ ڈنڈا تکیہ خاصا
لجیا کچھوٹی دے بندی پا سا
اس تن کے مٹھہ میں راول کاباسا
دھر تری پترپھر بھو جن کیتا
با دل پھوڑواکر پانی دیتا وغیرہ

• نرہ　　† مدرے

میرے پیا کو پرت سوں کروں گی اپنا
نس دن سیوا کروں گی جپنا

....

جانم پیوسوں پرت جن لائی
سب ری سکھیاں میں آن ار پائی
جس گھر پیا جی اس گھر بدھائی

جن دیکھی پیو اپنا آسے اور نہ بھا وے
دھوں جگ مانند دیکھتیں نہ کوی پیو کے آوے
روپ کہوں تس پیو کا نا کوی خاطر لیا وے
بن روپ جی آوے جانسی نا کوی دیکھن پاوے
ایسا مشکل ہو لتیں جسے وھی سمجھا وے

....

آکھے جانم پیو آپ وہ بے مثل کہا وے
تجھ سوں مل ترے رنگ سوں بے رنگ جنا وے
ہے کوی گذرے آپ تیں پھیر آپ نجھا وے

آج کی رین سوھاگ کی سکھی شہو منائیں نہ کاھے
ایسی رین سو لکھنی پھر بھور نہ آوھے

....

برھان شاہ صاحب کی نظم بالکل سادہ ہے جو اکثر صوفیا کا رنگ ہے ، لیکن بعض مقامات پر سادگی کے ساتھہ کلام میں شاعرانہ لطافت بھی پائی جا تی ہے ۔ مثلاً —

بن عشق بدھ کو سوج نہیں
اور بن بدھ عشق کی کوج نہیں

دکھہ سوکھہ سانت ایسا بھاو — بھری ندی میں جیسا ناو
یا جوں چھلرر* کیری دھات — ٹولے کبھوے نہتیں ہات

جے آپ کھوجیں پیو کو پائیں
پیو کو کھوجیں آپ گنوائیں

روت دوئل کرے پکار — مور ناچے پنکھہ پسار
یہ ایسا سہج سبھاو — دیک اپنی اپنی چاو
یہ سورج دیک تاپے — چند چندنا سیتل راکھے
ان تاریاں کا انہار — دیکھہ معلق پکڑیا ٹھار

کون اکاس میگھ بھراوے — کون بارا دیکھ چلاوے
کون آسمان دیتا تان — کون رچیا دھرت سندان
کون معلق رچیا بارے — چندر سورج دیکھہ ستارے
یوں جیتا مخلوقات — یوں کل شے ہر ہر دھات
کون مارے کون جلاوے — کون حکمت میں یہ آوے
ولیک مثلی جان — تہاں اُس کا پاویں ٹھان

بے مثل نا مانند کوچھ — کہنے میں نہ آرے پوچھ

---

* کھلد

جس وہ جلائے یا دکھائے　　تو کچھہ سمجھے دیکھن پائے
سمجیا سو نا کھلے جوگ　　دیکھیا سو نا دیکھے بھوگ
کھلے آے نہ سنئے بات　　جس بر جوڑیا ہے ثبات
عارف سالک عاشق لوک　　وصال بن یہ سارے پھوک

اکثر نظموں کی بحر ہندی ہے اور زبان میں بھی ہندی کا رنگ غالب ہے جو ابتدائی اُردو کا رنگ تھا - وہ اپنی نظموں میں ہندو مسلم دونوں کے قصوں اور روایات سے کام لیتے ہیں - اوپر کے ایک دھرے میں یوسف زلیخا کی تلمیح پائی جاتی ہے - ایک دوسری جگہ انھوں نے سری کرشن جی کے قصے کی طرف اشارہ کیا ہے—

سولا سہس گوپن کا نا بال برم تو چاری
یو دیکھہ بھوگ ابھوگی ہونا لوڑے گیان بچاری

وہ عروض اور نظم کے اصول و قواعد کی مطلق پرواہ نہیں کرتے - اکثر مصرع کو کھینچ تان کر سکتہ پورا کر لیتے ہیں - ضرورت شعری کے لئے لفظ کی ہیئت بدل دیتے ہیں: ساکن کو متحرک، متحرک کو ساکن کر دیتے ہیں: اشباع اور امالہ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں—

میرے پاس کے مجموعوں میں حضرت برہان الدین کی غزلیں بھی ہیں - چونکہ ابھی میں یہ صحیح طور سے تحقیق نہیں کرسکا کہ یہ وہی برہان الدین ہیں اس لئے میں نے انہیں نظر انداز کردیا ہے —

علاوہ نظم کے نثر میں بھی ان کے بعض رسالے ہیں، خصوصاً کتاب کلمۃالحقائق جس کے میرے پاس دو نسخے ہیں، قابل ذکر ہے - یہ رسالہ اچھا بڑا ہے اور اس میں تصوف کے مسائل جواب و سوال کے طرز پر بیان کئے ہیں - شروع یوں ہوتا ہے:—

"الله کرے سو ہوے کہ قادر توانا سرے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا بھی

کرنہار' سہج سہج سو تیرا تہار و سہج ہوا بہی توج تہی بار - جدھاں کچھہ نہیں تہی تہا تہیں' دوجا شریک کوئی نہیں - ایسا حال سمجنا خدا تہی خدا کوں جس پر کرم خدا کا ہوے''—

نہیں نہیں ایسا بہی ہوا کہ سوال اور جواب دونوں فارسی میں ہیں' مگر یہ بہت کم ہے' تقریباً تمام کتاب دکھنی اُردو میں ہے - عبارت کا نمونہ دکھانے کے لیے دو سوال و جواب نقل کئے جاتے ہیں -

سوال یہ تن الادھا* دستا ولیکن جیتا بکار سو توڑتے نہیں بلکہ ستلتر بکار روپ دستا ہے' یک پل قرار نہیں' جیوں سوانگ روپ

جواب - اے عارف ظاہر تن کے فعل تہی گذریا و باطن ترتب دستے' اس کا قانوں سو موکل الوجود - دوسرا تن سو بہی نہ اس ایندرین کا بکار و چیشٹا کرنہارا سو وہی تن نہیں تو یو حال و سوکھہ دوکھہ بھوگن ہارا - جیتا بکار روپ وہی دوسرا تن' تو دوں نظار کر دیکھہ یہ تن فہم سوں گذریا تو کن اُس کی کیوں رہے—

سوال - دوں بار تبا نیکال گیا ولیکن جہاز کا دول تو رہا -

جواب صحیح' ولیکن پت جوڑی ہوے جہاز کوں تو بارا نا ہے' ایسے سب تیوے نفس کے فعل کے پات تیری روح کے سات لگے ہیں - وہ بارا سو نفس اس سبب جھولے میں پڑیا تو پس وہاں کا بہی دیکھن ہارا ہو - وہاں کے بکار روپ کا جیتا چیشٹا ہوتا جہاں توں سوچ - دوسرا تن' وہ توں اس کا الادا دیکھن ہارا' سو اس میں نکو کن - ایسا بکار روپ سو روح کا مرکب - وہ جیسا تن یہ ویسا چھ اسی کا عکس - وہ تن قدیم میثاق کے وقت کا - اول وہ تن بازد+ یہ تن' اسی کا عکس ہو' ایتاں کے دیکھنے میں اس کا عکس وہ - یو تن وقتی در سیری و طیری کناری ہوتا ہے - وہ روحانی تن ملائکاں و حوراں یہی تن دھرتے ہیں و بت و قویس یہی تن دھرتے ہیں - وہ جیسا جز نا پاک بتوں کے یہ جیتا اس تن سوں - اس تن

---

* علیحدہ + بعد از

سوں شہوت، حرص، ہوا خہس کا سورچا - اس کی صحبت سب اُسے آزار ہوتا ہے جیوں لوھا - صحبت میاں بھوگنا، سونگنا، چاکھنا، دیکھنا یہ سب فعل سب اس تن کے - یہ کیا بازد گن سب رھے بلکہ زیادت دیکھلا آئیں گے - ایسا قدرت خدا کا فہم میں آنا و نظر میں نہیں دستا ولیکن دل کا نظر باطن اس میں آتا ھے تو توں اس کا فہم دار ھو و دوزخ و بہشت، حساب سب اس سوں تعلق دھرتا ھے - تا توں وتے سب فعل پر قادر ھو الادھا، تو توں اس کا شاھد ھو و جواب دیہ ـــ

اب مجھے شاہ صاحب کے کلام کے متعلق کچھہ عرض کرنا ھے - اس سے قبل اس رسالے میں دکنی زبان کی بعض خصوصیات کے متعلق کئی بار لکھہ چکا ھوں لیکن اس وقت مجھے دو ایک باتیں خصوصیت کے ساتھہ بیان کرنے کی ضرورت ھے ـــ

یہ بات ظاھر ھے اور کسی تفصیل کی محتاج نہیں کہ جو زبان ھم بولتے اور لکھتے ھیں اور جسے اس وقت اُردو کہتے ھیں وہ ھندی ھی سے نکلی اور ھندی ھی سے بنی ھے - ابتدا میں بڑا فرق جس سے اس کی الگ حیثیت قائم ھو گئی، یہ تھا کہ یہ فارسی حروف میں لکھی جاتی تھی مگر نام اس کا بھی ھندی ھی رھا - اور قدیم اُردو کی کتابوں ھی میں نہیں بلکہ بہت مدت بعد تک یہ زبان ھندی کے نام سے موسوم رھی - چنانچہ میر حسن دھلوی نے جو اُردو شعرا کا تذکرہ لکھا ھے اُسے وہ اپنے دیباچے میں '' تذکرۂ سخن آفرینان ھندی زبان'' فرماتے ھیں - ریختے کا لفظ بعد میں آیا ھے - جب یہی زبان دکن میں آئی اور اس میں دکنی لفظ اور لہجہ داخل ھوا تو دکنی کہلائی اور گجرات میں پہنچی تو اسی خصوصیت کی وجہ سے گُجری یا گُجراتی کہی جانے لگی ـــ

شاہ برھان صاحب نے اپنے کلام میں کئی جگہ اپنی زبان کو گُجری کہا ھے - مثلاً وہ کتاب حجت البقا میں فرماتے ھیں:

جے ھویں گیان بچاری، نہ دیکھیں بھاکا گُجری

یعنے جو صاحب عرفاں ھیں وہ گُجری (گُجراتی) زباں کا خیال نہ کریں گے - ایک

دوسری جگہ اپنی کتاب ارشاد نامہ میں مرشد کی زبانی لکھتے ہیں:

یہ سب گجری کیا زبان

کر یہ آئلہ دیا نما

نثر کے رسالے کلمۃالحقائق میں بعد حمد و نعت یوں لکھا ہے۔

"سبب' یو زبان گجری' نام ایں کتاب کلمۃالحقائق"

اگر چہ دو ایک جگہ (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) وہ اپنی زبان کو ہندی کہتے ہیں' لیکن خصوصیت کے ساتھ گجری کہنے سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ اگر چہ وہ زبان جس میں اُن کا کلام ہے' ہندی ہے' لیکن گجری ہندی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کلام کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی زبان پر گجرات کا اثر ہے اور یہ قدرتی بات ہے۔ ہندی ہو یا اُردو' یہ جہاں گئی' مقامی رنگ کی جھلک اس میں ضرور آگئی۔ چند مثالیں اس کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) اچھنا اور اس کے مشتقات اچھے' اچھو' چھے' اچھوں' اچھتا' اچھ کا گجراتی چھے کا اثر ہے—

(۲) ہمن' ہمنا گجراتی ہمیں کا اثر ہے۔ ہمنا کی طرح ہمنے بھی گجراتی میں فاعل اور مفعول دونوں حالتوں میں استعمال ہوتا ہے—

(۳) "اپن' ہم کے معنوں میں گجراتی ہے—

(۴) "چ" حرف تخصیص کے طور پر دکنی میں بہ کثرت استعمال ہوتا ہے اور یہی استعمال اس کا گجراتی اور مرہٹی میں ہے۔ مثلاً۔ "جو کوئی داتا ہے نا اس کا ایساچ کام ہے' جو بڑے پیٹ کا آدمی ہے نا' وہ یہیچ کرتا ہے"—

(۵) گھلنا (وقت گزرنا)' سوسنا (برداشت کرنا)' ابھال (بادل)' ایلاڑ (ورے)' پیلاڑ (پرے)' انجھو (آنسو)' ندرا (نیند) وغیرہ الفاظ خاص گجراتی ہیں اور قدیم دکنی میں بہ کثرت اور بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں—

(۶) "سی" قدیم دکنی میں مستقبل کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ جیسے کرسی' جاسی۔

یہ استعمال سب رس اور بعض دوسری کتابوں میں صرف واحد حاضر کے صیغے کے ساتھہ دیکھا گیا تھا لیکن شاہ برھان نے اس کی دوسری صورتیں بھی استعمال کی ھیں۔ جیسے' ھمیں ناکرسیں' نا دیکھہ سوں' کر سوں' کہہ سوں—

یہ لاحقہ ھندی زبان کی مختلف زبانوں میں استعمال ھوتا ھے۔ چنانچہ پنجابی میں ماضی متعدی اور مستقبل کے لئے آتا ھے۔ مشرقی راجستانی میں بھی مستقبل کے لئے استعمال ھوتا ھے (اھے سی' سوں' ساں' سو) اسی طرح ریوائی اور بھوج پوری زبانوں میں بھی لہجے کے کسی قدر اختلاف سے یہ استعمال مستقبل کے لئے اب تک رائج ھے۔ گجراتی میں یہ "شے" ھے۔ جیسے' کرشے (کریگا) کوش' جشے (جاے گا) آوشے (آے گا) اصل میں یہ لاحقہ پراکرت کا ھے' جہاں یہ سنس' سسامی' ھسی وغیرہ کی صورت میں استعمال ھوتا تھا۔ سورسینی میں بھی' جس سے برج بھاشا' گجراتی وغیرہ زبانیں نکلی ھیں' یہ لاحقہ اسی صورت میں پایا جاتا ھے۔ اپ بھرنشا (بگڑی ھوئی پراکرت) میں اس کی صورت سؤں' سسوں' سسی' سسے' سئی وغیرہ ھے—

اِن چند مثالوں سے ظاھر ھے کہ قدیم دکنی پر اور خاص کر اس زبان کے اس شاخ پر جو گجرات اور بیجا پور میں بولی جاتی تھی' گجراتی زبان کا اثر پڑا ھے اور یہی وجہ ھے کہ اسے بعض اوقات گُجری سے موسوم کیا جاتا تھا—

میں بیان کرچکا ھوں کہ شاہ برھان کی نظم سادہ ھے۔ وہ قافیہ وغیرہ کے قواعد پر پورے عامل نہیں' ضرورت شعری کے لئے لفظوں کو توڑ موڑ دینا' متحرک کو ساکن' ساکن کو متحرک کردینا اُن کے لئے کوئی بات نہیں۔ اشباع' امالہ' ترخیم سے بلا تکلف کام لیتے ھیں۔ قافئے میں وہ آواز کا خیال کرتے ھیں' تحریر کی پروا نہیں کرتے۔ بعض اوقات ایسا ھوتا ھے کہ آوازیں بھی یکساں نہیں اور بہت کم تشابہ ھے' تو بھی وہ بلا تامل قافیہ باندہ جاتے ھیں مثلاً خالق کا

قافیہ مالک اس بنیاد پر روا ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے بعض حصوں میں 'ق' کا صحیح مخرج نہیں ادا ہوتا اور 'ق' اور 'ک' کا یکساں تلفظ کیا جاتا ہے۔ لیکن عارت کا صادق ' فوق کا طرت ' عشاق کا کثنات یا شرت کا فرق کیوں کر قافیہ ہوسکتا ہے۔ مگر شاہ صاحب بلا تامل لکھے جاتے ہیں۔ صوت کی بنا پر انھوں نے پاس کا خاص اور نفس کا خاص قافیہ لکھا ہے اور اس لحاظ سے یہ ٹھیک بھی ہے ' لیکن اس کے ساتھ ہی وہ الصاف کا قافیہ پاس بھی باندھتے ہیں ' شاید اس لئے کہ یہ حروف قریب المخرج ہیں۔ منسوخ کے قافئے کے لئے وہ رخ کو روخ کر دیتے ہیں۔ دکن اور بعض دیگر مقامات میں 'غ' کا تلفظ 'ق' کیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ طوق کا قافیہ روخ لکھتے ہیں۔ تفصیر کے قافئے کے لئے وہ سر کو سیر ' دھیر کے لئے فکر کو فکھر ' قید کے لئے مستعد کو مستعید کہتے اور سیس کے لئے مفلس کو مفلیس کر دیتے ہیں۔ عربی الفاظ میں 'ح' 'ع' جیسے لفظوں کا تلفظ ' (جب کہ وہ آخر میں ہوتے ہیں) اکثر اہل ہند ادا نہیں کرتے۔ شاہ صاحب نے اسی بنا پر گرو کا قافیہ شرو (شروع) صحی (صحیح) کا قافیہ کونی باندھ دیا ہے۔ اور آخر سے 'ع' اور 'ح' اڑا دی ہے۔ اور وجہ معقول ہے۔ ایک جگہہ حقا کے قافئے کے لئے بقا کے ق کو مشدد کر دیا ہے۔ دکنی کی اکثر نظموں میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں—

صبح بنارس (جوگی کی صدا)

از

(ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم)

یہ ستھری ستھری آنکھیں   یہ لمبی لمبی پلکیں
یہ تیکھی تیکھی چتون   یہ سندر سندر درشن
مایا ہے سب مایا ہے
یہ گورے گورے گال   یہ کالے کالے بال
یہ پیاری پیاری گردن   یہ ابھرا ابھرا جوبن
مایا ہے سب مایا ہے
کل جھوٹا ہے سنسار   اک سچا ہے سرجن ہار

———:●●÷●●:———

ولہ

بچے اور بڑے

(اندلسی گیت)

(۱)

دیکھا گیا ہے
گودی میں سوتے
سپنے میں بچے

(۲)

دنیا کے ننھے
ہیں خواب سارے
دھوکے میں جن کے

ہیں سارے ہنستے
دیکھا گیا ہے
گودی میں سوتے
اُٹھنے پہ بچے
ہیں سارے روتے

ہیں سارے ہنستے
لیکن جب اُٹھتے
خواب گراں سے
(بچے ہوں جیسے)
ہیں سارے روتے

بادۂ کہن

(لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی)

لچھمی نراین شفیق کے آبا و اجداد پنجاب کے کھتری تھے' لاھور اُن کا وطن تھا - جب عالم گیر اورنگ زیب نے دکن پر فوج کشی کی تو ان کا دادا لاله بھوانی داس لاھور سے دکن میں آیا اور اورنگ‌آباد میں سکونت پذیر ھو گیا - شفیق کے والد لاله منسا رام کی ولادت اورنگ‌آباد ھی میں ھوئی—

محمد شاہ کے زمانے میں نواب نظام‌الملک آصف جاہ دکن کے صوبه‌دار مقرر ھوکر اورنگ‌آباد آئے تو لاله منسا رام کو اپنا پیشکار مقرر کیا - بڑا فرض شناس' محنتی اور دیانت دار تھا —

لچھمی نراین ۲ صفر سنه ۱۱۸۵ھ کو اورنگ‌آباد میں پیدا ھوے اور اسی جگه علوم رسمی کی تحصیل کی —

نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے بڑے فرزند میر اکبر علی خاں عالی جاہ بڑے ھنرور پرور رئیس تھے' اُن کی سرکار میں ملازمت اختیار کی—

لچھمی نراین کو ابتدا سے شعر و شاعری کا شوق تھا شروع میں 'صاحب' تخلص کرتے تھے' لیکن بعد میں مولانا آزاد بلگرامی کے ایما سے 'شفیق' اختیار کیا - اُردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے - اُردو میں تو تخلص صاحب ھی رھا مگر فارسی میں شفیق لکھنے لگے - شفیق مولانا آزاد کے ارشد تلامذہ میں سے ھیں - مولانا اُن کے حال پر خاص نظر شفقت رکھتے تھے - شفیق کا ذوق ادب بہت اچھا ھے'

تاریخ نویسی کا بھی خوب سلیقہ ہے ۔ یہ مولانا آزاد کی صحبت اور تعلیم کا اثر ہے۔ شفیق اپنے اُستاد کے قدم بقدم چلتا ہے—

شفیق کی تالیفات متعدد ہیں۔ ان میں سے چمنستان شعرا، اُردو شعرا کا تذکرہ اور گل رعنا اور شام غریباں فارسی شعرا کے تذکرے ہیں۔ تنمیق شگرف، حقیقت ہائے ہندوستان، ماثر آصفی ماثر حیدری، بساط الغنائم، حالات حیدرآباد، نخلستان فن تاریخ سے متعلق ہیں—

یہاں ہم اُن کا معراج نامہ نقل کرتے ہیں جو اتفاق سے ہمارے ہاتھ آگیا۔ اگرچہ شاعری اور خیالات کے لحاظ سے اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے، لیکن یہ اُس زمانے کا رنگ دکھاتا ہے جب ہندو مسلمان یک رنگ اور ہم خیال تھے اور آپس میں یہ اجنبیت نہ تھی جو آج کل نظر آتی ہے۔ آئندہ ہم اُن کی دوسری نظمیں بھی شایع کریں گے۔ ان کا تذکرہ 'چمنستان شعرا' بھی انجمن کی طرف سے شایع ہونے والا ہے—

در بیان معراج صاحب درة التاج
تصنیف لچھمی نراین 'شفیق' تخلص

اے مطرب مبارک باد کو کا	کہ ہے یوں وصل کی شب کا تو چرچا
طنبورے کے ملا اس طور سے تار	کہ فرق تال و سر اُٹھ جائے یک بار
عجائب رات تھی او نور افشاں	کہ ہر کوکب تھا یک مہر درخشاں
کہوں گر رات اُس کو ہے تامل	کہوں گر دن تو عالم میں پڑے غل
نہ تھی و ورات اور دن بھی نہاں تھا	میان روز و شب اور ہی سماں تھا
عجب کچھ نور تھا عرش بریں پر	قیامت نور تھا فرش زمیں پر
غلط میں نے کہا استغفراللہ	زمیں کے تحت بھی تھی نور کو راہ

زمین و آسماں پر یہ زمانہ — بنا تھا نور حق کا ایک دانہ

غرض یہ ھفت سیار اور ثوابت — ھزاروں پھر' کر کر کے محنت

لے آوے وو گھڑی اور ایسے اوقات — کہ وھاں اوقات کی ھرگز نہ تھی بات

یہی کہتا تھا وقت نور افشاں — کہ ھے ذرہ یہاں کا مہر رخشاں

فقط کہنے کو تھا خورشید نا پید — سراسر آسماں تھا جرم خورشید

سمجھ مت خلق کو اُس رات تھا خواب — نہیں تھا دیدۂ عالم کے تیں تاب

کہ ایسا نور نظارے میں لاوے — کثیف اصلا لطافت کو نہ پاوے

نظر ھوتی ھے خیرہ برق کو دیکھ — پھر اُس میں اور اِس میں فرق کو دیکھ

غرض غفلت سبھوں پر چھا رھی تھی — خرد داروے حیرت کھا رھی تھی

سفیر نیک پہ پیغام لایا — سلام حق کہا اور یہ سنایا

در حجرہ پہ وو آ جوڑ کر ھات — کہا سرور ترے پر حق کے صلوات

خدا کی ذات خواھش سے بری ھے — سو اُس کو بھی تری خواھش کری ھے

چل اُٹھ اے شہ نہ ھے معراج تیرا — غنی بھی آج ھے محتاج تیرا

خدائی ساری جوں دلہن بنی ھے — ظہور عشق کی سب روشنی ھے

زباں پر قدسیوں کی ھے یہ جد تد — خدا عاشق ھے شاھد ھے محمد

زمین و آسماں سب نور ھی نور — جدھر دیکھئے ھے نور بھر پور

منور ھو رھے ھیں آٹھوں جنت — ھوئی دونوں جہاں کو زیب و زینت

ملائک تک رھے ھیں سب تری راہ — سبھی ھیں قدسیاں تیرے ھوا خواہ

کھڑے ھیں انبیا سب باندہ کر صف — لئے ھیں عہدے سب خدمت کے برکف

در دولت پہ ھے با ساز و ساماں — سواری کو براق برق جولاں

خیال اور یہ گماں اور وھم یہ فکر — ھیں چاروں نعل اُس کے کیا کروں ذکر

نہایت خوش عناں اس کو کئے ھیں — ارادے کو لگام اس کو دئے ھیں

دم گرم اُس کے سے بجلی کی ایجاد — دھن کے کف سے ھے تاروں کی بنیاد

ٹپکتے هیں عرق کے بوند جس دم　　شہاب اُس کے تئیں کہتے هیں عالم

نہ رکھ اب توقف کے روا دار　　که هیگا منتظر خلاق دادار

پھر وهیں اُٹھ بستر سے چالاک　　سوار اسپ هو جستے سے بے باک

پلک کے مارتے اقصیٰ کو پہنچے　　وهاں سے عالم بالا کو پہنچے

قمر کوں چرخ اول کے نزدیک　　تھا اس کے بھی کانسے میں ملی بھیک

کہیں حضرت مثال شمس انور　　کئے ماهاے قمری هم مقرر

ترا معجزه یه حق هوا هے　　تمهارو ضرب سینے پر لیا هے

قمر نے تب کہا اے شاه شاهاں　　مرے سے بر طرف هو نقص نقصاں

کہی حضرت تو هے بر چرخ دنیا　　که یہاں لازم هے گھٹنا اور بڑھنا

ولے بخشی ترے تیں هم نے عزت　　ترے پر منحصر راکھی عبادت

ترے تیں دیکھ روزه کو دهریں گے　　ترے تیں دیکھ کر عیدیں کریں گے

کبھی دو دن نه دیکھیں گے جو تجکو　　بہت دهوندهیں گے بدلی میں وو تجکو

قمر هو خم کیا تسلیم اُس دم　　هلال اندر وهی هے اب تلک خم

وهاں سے چرخ دوم پر گئے عزم　　عطارد قصد خدمت کو کیا جزم

محرر هوں مجھے امداد کچھ هو　　کتابت وحی کی ارشاد کچھ هو

کہی حضرت نے اُس کو اے هنرور　　رسالت هوگئی هے ختم مجھ پر

وحی کا بھی سرشته کوئی هے دن　　کٹے گی زندگی کیوں مشغله بن

میں تجکو دفتر کونین بخشا　　ابد تک جمع و خرچ عین بخشا

عطارد رہ گیا تسلیم کو کر　　سواری گزری چرخ سیومیں پر

وهاں زهره خوشی سے ناچتی هے　　فلک کے دائرے کو باجتی هے

ادا سے سامنے حضرت کے آئی　　قدم بوسی کو کر سر کو جھکائی

هوا ارشاد تو دنیا کے اندر　　تمامی شب دکھا مت روے انور

سحر کو کوی دم یا شام کے تیں　　نمود اپنا کیا کر نام کے تیں

حیا زن کو بجاے جان کے ہے
حیا ہوی شرط سے ایمان کے ہے

یہ تلقین پاکے زہرہ وہاں سے آئی
خوشی کر گھر میں گائی اور بجائی

گئے جب چرخ چارم پر سواری
ہوئی خورشید کے تیں بے قراری

وہیں دوڑا سر اپنے کو قدم کر
قیامت تک ہوا روشن منور

کہے حضرت نے تجکو کچھ خبر ہے
قیامت ترے ہی پر منحصر ہے

تجھے طالع کریں گے غرب سے ہم
ہمارا سایہ ترے سر پہ قایم

وو ہی خورشید کو اب تک خطر ہے
سفر مغرب کا اس کو ہر سحر ہے

وو ہی تر ایک دن مغرب کر یاد
پھرا حضرت علی کا سن کو ارشاد

مسیحا پیشوا تشریف کو لا
کہے میری شفاعت ہوئی مولا

وہاں سے چرخ پنجم پر جب آے
گئے مریخ کی یاد اور بلاے

کہے تجکو کئے مردوں کا سردار
دلیروں کا جہاں میں رہ مدد گار

سنا حضرت سے جب حرف بحالی
تبی مریخ کے منہ پر ہے لالی

عنایت کا جو مژدہ پا رہا ہے
اوسی شادی سے منگل کا رہا ہے

گئے جب چرخ ششم پر سواری
وہاں تو مشتری کی پہنچی باری

اُسے ارشاد ایسا کچھ کئے ہیں
تجھے جوہر سعادت کا دئے ہیں

وہیں برجیس آداب عنایت
بجا لاکر ہوے اُس جا سے رخصت

سواری چرخ ہفتم پر گئے جب
زحل کی منزلت والا ہوئی تب

زحل نے آکے سجدہ کر کیا عرض
سیہ رو کیا کرے اب مدعا عرض

مخاطب ہو کہے اُس کو اے کیواں
کہ ہے ظلمات اندر آب حیواں

بلندی پر زحل اپنی مباہی
کہ رنگے نیست بالاے سیاہی

وہاں سے چرخ ہشتم پر گزر کر
کئے جرم ثوابت کو منور

ثوابت کروں کس طور اظہار
کہ ہے تاروں کی گنتی کار دشوار

یہاں آخر ثوابت کا ہے قصہ
ملا ہر یک کو قدر حال حصہ

قلم وهاں سے کئے عرش بریں پر
کہا بارا اماموں کا فدا هوں
کئے جب عرش کے آگے تو براں
رہے جبریل بھی رت رات نے رو میں
اوسی مهداں میں رو کا شیر نے رہ
وهاں انگشتری اپنی دتے هیں
کهوں میں لامکاں کی کس طرح بات
بیاں سے بات یهاں کی کچهہ بروں هے
سرا پردہ سے نکلا هات ایدهر
بهم شیر و برنج اوس سات کهانے
گئے اور آئے اس عرصہ کے اندر
یہ نقطہ زیر هے سب نک خدا هے
اے صاحب قفل کر درج دهاں کو
حقیقت یہ بہت مشکل هے پانا
حسد هے بغض هے کینہ عداوت
انانیت یہاں رکھتی نہیں نار
یہ شکر مل رهی هے ریت کے بیچ
شکر هاتی سے یہ کهائی نہ جاوے
هو کوئی چهنٹی • بلے شکرکو کهاوے
نبی تیرا ثنا خواں هوں کرم کر
مری دونوں جهاں میں آبرو رکهہ

ملا چرخ نہم نے پاوں پر سر
بنا بارا دری میں نے کیا هوں
وهاں روح الامیں بهی رہ گئے طاق
نہ میکائیل تهے وهاں سے جلو میں
کہا کچهہ بهی عنایت هوے للہ
نہ اپنا مہر دار اس کو گئے هیں
وهاں سے سب رہے اور اوگئے ذات
مری کیا طاقت اور کیا مجدوں سوں هے
نہ جس میں وهی انگشتر تهی خوشتر
چشک امت لئے اس کو لے آے
کہ کچهہ باقی تهی یاں گرمئی بستر
گیا جس وقت بولا پهر خدا هے
نکال اب مت اور راز نہاں کو
ملوث هورها هے یہ زمانہ
رعونت کبر هے رسک اور شقاوت
یہاں هے نیستی سے هی سروکار
اوراوس میں مل رہا هے بہوت ساکیچ
کہ اوس کے دانتوں میں کرکرهی آوے
رہے تب ریت اور شکر کو پاوے
غریق بحر عصیاں هوں کرم کر
سر اوپر میرے اپنا هات تو رکهہ

• چهونٹی —

ارے صاحب تجھے ہے کیا لیاقت — زباں رکھتی ہے تیری کیا طاقت
مئے توحید کو ہر چند ہے جوش — پر اے کم حوصلے خاموش خاموش
ارے بیہودہ گو بک بک کو کم کر — کہاں عالم ہے اِن باتوں کا محرم
حقیقت کا سخن مستور کر تو — مجازی کا ذرا مذکور کر تو
سخن پر کاملوں کے کان تو دھر — نصیحت پر اب علی کی اب عمل کر
ز فہم مستمع ایں حرف دور است — سخن بےرنگ شد رنگش ضرور است
بطرز مولوی آہنگ بردار — حدیث دیگراں کن پردۂ تار
اثر بردار و از آواز بگذر — بدل ناخن زن و از ساز بگذر

ادب

تاریخ

متفرق

اُردو کے جدید رسالے

ادب

حکایات و احتساسات

(شیخ مبارک علی تاجر کتب - لوہاری دروازہ لاہور - قیمت ایک روپیہ چارآنے)

یہ اُن مختصر فسانوں اور مضمونوں کا مجموعہ ہے جو سید سجاد حیدر صاحب بی - اے نے ترکی زبان سے ترجمہ کئے یا خود تحریر فرمائے ہیں - بعض فسانے بہت دلچسپ ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں - انسانی فطرت اور معاشرت پر خوب نظر ڈالی ہے- مضامین زیادہ‌تر خیالی ہیں جن‌میں ادب کی چاشنی اور خیالات کی لطافت پائی جاتی ہے - ترجمے میں بعض مقامات پر بعض ترکیبیں' جملوں کی ساخت اور الفاظ کا استعمال بہت غیر مانوس اور عجیب ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ اُردو اس‌کی متحمل نہیں ہوسکتی- اس قسم کی ترکیبوں سے عبارت بھونڈی ہوگئی ہے اور کہیں کہیں مطلب بھی خبط ہوگیا ہے — مثلاً :

" تمام رات چادر میں منہ لپٹے جن آنسوؤں کو وہ روکے رہی تھی بحران کے اس دقیقہ میں جب طغیان گریہ اٹھا تو اس نے انہیں بہنے کی اجازت دی "—

" اس خیال نے آہستہ آہستہ اس‌کے ذہن میں اپنی پوری تاثیرسےبڑھنا اور کسب اہمیت کرنا شروع کیا ' لیکن اسی دقیقہ میں اس نے دفعتاً اپنے تئیں متروک دیکھا "-

" اس مستازیت عفیفانہ کے مقابل میں باقی تمام چیزیں قابل سقوط نہیں "—

"اس کی آنکھیں لڑکی کی تعقیب کر رہی تھیں کہ اس کا دل ایک حسن تفرع سے بھر اٹھا "—

اسی طرح اعماق مدھوشی ' آہ خسران ' حیات ساعیانہ ' تہالک معصومانہ '

حیات سلطانہ' گریزاں شبیہ' سفرانہ کوششیں' ولور و آنکھیں جوان' محبوبۂ سودا انکسا کی عجیب و غریب ترکیبیں پائی جاتی ہیں -

خود احتساس کا لفظ بھی قابل اعتراض ہے - عربی میں یہ کوئی لفظ نہیں ہے - البتہ غریب الفاظ میں اس کا شمار ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے معنی بالکل دوسرے ہیں -

---

مرقع ادب

(حصہ دوم - از جناب صفدر مرزا پوری - صدیق بک ڈپو - لکھنؤ صفحے ۳۱۲
قیمت دو روپئے)

جناب صفدر مرزا پوری' جہاں تک ان سے بن پڑتا ہے' اُردو زبان کی خدمت کرتے رہتے ہیں - انھوں نے اپنی محنت اور ذوق سے ایسے اچھے مجموعے تالیف کئے ہیں کہ اُردو ادب کے شائق اُن کی ضرور قدر کریں گے - مرقع ادب کا پہلا حصہ اس سے قبل چھپ چکا ہے' یہ دوسرا حصہ ہے - اس میں اکثر اُردو کے اساتذہ اور نامور اہل قلم کے خطوط درج ہیں - ایک خط مرزا غالب کا اور ایک مولانا حالی کا بھی ہے : یہ دونوں غیر مطبوعہ ہیں - ان کے علاوہ امیر مینائی مرحوم' اکبر الہ آبادی مرحوم' جلال مرحوم' مولانا شرر مرحوم' شاد مرحوم کے خطوط بھی ہیں - زندہ ادیبوں اور شاعروں کے خط بھی تلاش کرکے اس مجموعے میں شریک کئے گئے ہیں - بعض حضرات تو بلاشبہ اپنے خطوط کو اس کتاب میں دیکھ کر خوش ہونگے مگر بعض بہت گھبرائیں گے کہ لکھے تھے کسے اور کس غرض سے اور پہنچے کہاں - آدمی اپنے دوست احباب کو بے تکلفی میں جو جی چاہتا ہے لکھ جاتا ہے' اُسے کیا معلوم کہ حضرت صفدر گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ ان پرزوں کو الم نشرح کر دیں گے - گویا یہ خطوں کے ادبی سنسر ہیں - اگر لوگوں کو یہ عام طور پر معلوم ہوگیا (اور معلوم ہو ہی جائیگا) تو وہ سنبھل سنبھل کر اور بڑے احتیاط سے خط لکھا کریں گے اور اس سے خطوں کا اصل لطف جاتا رہیگا - مناسب یہ ہے کہ جو لوگ زندہ ہیں اُن کے خطوط ان کی اجازت بغیر شایع نہ کئے جائیں - وہی مردہ' سو مردہ بدستور زندہ ہے —

الغنیمۃ الکبریٰ

[شرح قصیدۂ تائیہ شیخ ابن الفارض- از مولوی محمد مصطفیٰ صاحب- ملنے کا پتہ- احمد مصطفیٰ بن عبدالرحمن خاں اندرنی دروازہ کاسگنج ضلع ایٹہ- قیمت ۸ آنے]

یہ قصیدۂ تائیہ شیخ ابن الفارض کے عربی قصیدے کا ترجمہ اور شرح ہے - آخر میں مصنف کے حالات اور بعض اصطلاحات کی تشریح ہے —

خطوط محب

[مرتبہ افضل النسا خانم صاحبہ صفحات ۳۲۶ - قیمت تین روپئے - ملنے کا پتہ مولوی محب حسین صاحب' سابق اڈیٹر معلم نسوان- ملگل کاماٹ- حیدرآباد دکن]

مولوی محب حسین صاحب کو غالباً لوگ ابھی بھولے نہونگے - معلم نسوان ایک مدت تک ان کی اڈیٹری میں حیدرآباد سے شایع ہوتا رہا - پردے کے خلاف ایسے پر زور مضامین اس میں نکلے جن سے ایک ہل چل مچ گئی تھی- یہ انہیں صاحب کے خطوط ہیں جو انہوں نے اپنی شاگرد افضل النسا خانم صاحبہ کے نام لکھے ہیں اور ان میں انہوں نے اخلاق و مذہب کی تعلیم بہت خوبی اور صفائی کے ساتھ دی ہے - یہ خطوط بہت دلچسپ اور پر از معلومات ہیں اور عبارت بہت سلیس ہے- نو جوان لڑکوں لڑکیوں اور مرد عورت دونوں کے مطالعہ کے قابل ہیں —

افکار محب

[کلام مولوی محب حسین صاحب- صفحات ۲۱۰ - قیمت دو روپئے مصنف سے مل سکتی ہے]

مولوی محب حسین صاحب کو شاعری کا چسکا ایک زمانہ سے ہے - ان کا کلام

حکیمانہ اور اخلاقی ہوتا ہے۔ اس دیوان میں قابل مصنف نے اپنی تمام غزلیں جمع کردی ہیں۔ جن لوگوں کو شعر و سخن کا ذوق ہے اُن کے لئے یہ مجموعہ بہت قابل قدر ہے -

---

حیات کیفی

[مرتبہ محمد سردار علی صاحب - کتب خانہ بزم ادب - عقب مسجد چوک حیدرآباد - قیمت ۲ آنے]

سید رضی الدین حسن کیفی مرحوم حیدرآباد کے اُن چند نوجوانوں میں سے تھے جن کے دل میں درد تھا، جو زمانے کے رنگ کو پہچانتے تھے اور اپنے ملک کی بہبودی کے لئے اپنی بساط کے موافق، ہمیشہ کوشش کرتے رہتے تھے شعر و سخن کا ذوق انہیں ابتدا سے تھا۔ اُن کی نظمیں ہر صنف میں ہیں اور اُن میں خاص لذت اور حلاوت پائی جاتی ہے۔ یوں تو اچھے اچھے شاعروں سے بعض اوقات لغزش ہوجاتی ہے - لیکن حقیقت یہ ہے کہ کیفی مرحوم حیدرآباد میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور بہت خوب کہتے تھے، بہت جلد کہتے تھے اور ہر قسم کے مضمون پر لکھنے کی قدرت رکھتے تھے۔ رنگین مزاج، صوفی منش اور سچے دوست تھے۔ یہ سولہ صفحے کا چھوٹا سا رسالہ انہیں کے حالات میں ہے - اُمید ہے کہ ان کے بیشمار دوست اور قدرداں اسے شوق سے پڑھیں گے -

---

دیوان اصغر اور دیوان عاقل

صاحبزادہ محمد محمود علی‌خان بہادر پرائیوٹ سکریٹری ہز ہائنس نواب صاحب رام پور نے اپنے جد امجد محمد اصغر علی خاں 'اصغر' اور اپنے والد ماجد محمد رضا علی خاں 'عاقل' کا کلام جمع اور مرتب کر کے دو دیوانوں کی شکل ایک مجلد میں شایع کیا ہے - مومن مرحوم دہلوی کے شاگردوں میں یہ وہی اصغر ہیں جن کی وجہ سے نواب اصغر علی خاں 'نسیم' کو اپنے نام کا جزوی تخلص "اصغر" چھوڑنا پڑا تھا - ان کے کلام میں تغزل کا رنگ غالب ہے مگر نسیم سے کم - اشعار کی بندش اور ترکیب میں وہی پرانا ڈھنگ ہے لفظی تعقید، مضمون آفرینی اور معاملہ بندی میں استاد کی پوری جھلک

موجود ہے بعض اشعار بہت بلند پایہ ہیں۔ شاگردان مومن میں مومن کا رنگ مخصوص پاتو، قلق' میرٹھی میں دیکھا یا اب مدت کے بعد اصغر مرحوم کے کلام میں عاقل صاحب کے کلام میں سادگی اور صفائی زیادہ ہے' زبان روز مرہ کی ہے اور کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تخیل میں وہ اپنے استاد سالک کے مسلک سے اونچے جارہے ہیں مضمون آفرینی میں باپ کے قدم پر قدم ہے استاد کی پیروی ہے اسی لئے بےنیاز ہیں اور ہونا بھی چاہئے —

(م-ن-ظ)

کلام کیفی اور نظم کیفی

سید رضی الدین کیفی حیدرآبادی کا متفرق کلام ان کے ایک قدردان دوست محمد سردار علی صاحب مؤلف تذکرہ شعرائے اورنگ آباد (دکن) نے مع ایک دیباچہ کے ان دو رسالوں کی صورت میں چھپواکر شایع کیا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ وہ حیدرآباد کے شاعروں میں مایۂ ناز شاعر تھے اور اپنے ہمعصروں میں انہوں نے ممتاز حیثیت پیدا کرلی تھی ان کا کلام ہی خود کہہ رہا ہے - کیفی ابتدا میں میکش تھانوی کے دم کشوں میں تھے ان کی وفات کے بعد فصیح الملک مرزا داغ مرحوم سے جن کو زبان کے اعتبار سے ہندوستان کا مہاشاعر کہنا چاہئے' تلمذ کا فخر حاصل ہوا - گو یہ فخر ان کو داغ مرحوم کے آخری دور حیات میں نصیب ہوا اور بہت کم اصلاح کلام اور مشورہ سخن کی نوبت پہونچی تھی کہ استاد نے کوچ کا نقارہ بجادیا اور اپنے نو مشق تلامذہ کو تشنہ کام چھوڑ کر شہر خموشاں کا راستہ لیا - لیکن اس جوہر قابل کے لئے استاد کامل کی دوچار صحبتیں ہی غنیمت ثابت ہوئیں۔ اگلی پچھلی مشق نے معاملہ بندی' روانی' سلاست اور کسی قدر زبان کی چاشنی ان کے کلام میں پیدا کردی۔ اب ان کے نمکین اشعار میں صاف نظر آتا ہے کہ میکشی کا کیف کافور ہوکر کوئی دوسری ہی ملاحت آگئی ہے اور ان کے بعض اشعار نے چھیڑ چھاڑ میں اس قیامت کا مزہ دیجاتی ہے جس میں کسی قدر داغ لگ گیا ہو اور جس کو ارباب ذوق بہت پسند کرتے ہیں -

ان دونوں رسالوں میں کچھ حصہ غزلوں کا ہے اور کچھ اخلاقی اور قومی نظموں کا - بہر حال کیفی کی شاعری کا نشو و نما جس ماحول میں ہوا اس کے لحاظ سے ان کا مجموعۂ اشعار بہت کچھ قابل تحسین و آفرین ہے -

(م-ن)

شعرائے اورنگ آباد

(مؤلفہ مولوی محمد سردار علی صاحب - صفحے ۴۸ ' قیمت ۹ آنے - کتب خانہ مسجد چوک ' حیدرآباد دکن)

یہ مختصر رسالہ اورنگ آباد دکن کے قدیم اردو شعرا کے تذکرے میں ہے - مختصر حالات کے ساتھ کلام کا نمونہ بھی درج ہے - مولوی سردار علی صاحب اردو ادب کے متعلق بہت اچھا کام کر رہے ہیں اس سے قبل بھی وہ اس قسم کے کئی رسالے شائع کرچکے ہیں -

---

تاریخ

تاریخ فلسفۂ اسلام

(مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ' ایم - اے ' پی ایچ ڈی - صفحات ۱۵۸ ' قیمت ۲ روپئے ' مکتبۂ جامعۂ ملیۂ اسلامیہ دہلی)

جیسا کہ فاضل مترجم نے اپنے دیباچے میں بیان فرمایا ہے زندگی اور کائنات کے معماے سربستہ کے حل کرنے کی کوشش اور اس کوشش کا نتیجہ جو چند خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے فلسفہ ہے - یہ گویا انسان کی ذہنی ترقی کا ما حصل ہے - اس جد و جہد میں ہر مہذب قوم نے کچھہ نہ کچھہ کام کیا ہے - اگرچہ سائنس اور فلسفہ تمام دنیا میں ایک ہی ہے اور اس میں نسلی اور قومی تفریق نہیں ہوسکتی ' تاہم ہر قوم نے جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے جو کوشش کی ہے اور عام انسانی معلومات میں جو اضافہ کیا ہے اس حد تک وہ اس سے منسوب ہے - اسلامی فلسفہ بھی اپنی خصوصیتوں کی وجہ سے اور خصوصاً اس وجہ سے کہ اس نے یونان کے فلسفے کو از سر نو زندہ کیا ' اسے وسعت دی ' دنیا میں پھیلایا ' نئے خیالات کا اضافہ کیا ' دنیا کے فلسفے کا قابل قدر جز ہے - دوسرے اسلامی ممالک سے قطع نظر ' خود ہندوستان میں اسلامی فلسفے کے

بڑے بڑے ماہر گزرے ہیں اور اب بھی چند نفوس باقی ہیں ؛ لیکن ان کی نظر محدود تھی اور اس لئے وہ تاریخ فلسفۂ اسلام کے لکھنے کا حق ادا نہیں کرسکتے تھے - اس کے لئے ایسے فاضل شخص کی ضرورت ہے جو اپنے فلسفہ میں ماہر ہونے کے علاوہ اصل ماخذوں سے آگاہ ہو دنیا کی دوسری قوموں کے فلسفوں پر گہری نظر رکھتا ہو اور خیالات کو صحیح طور پر ادا کرنے اور مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو - یہ کتاب جس کے مصنف ہالینڈ کے مشہور مستشرق دو بوائر ہیں ' اگرچہ مختصر اور ناکافی ہے ' مگر جس سلیقے اور جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہے وہ بہت قابل تعریف ہے - اور ممکن ہے کہ اس داغ بیل کو دیکھ کر ہمارے علما میں شوق پیدا ہو اور وہ اس سے بہتر کتاب تصنیف کر سکیں اور ان مسائل اور مباحث پر ' جن کا اس میں سرسری ذکر ہے ' زیادہ روشنی ڈال سکیں —

حکومت آصفی و برکات عثمانی

(مصنفہ منشی فاضل مولوی محمد شمس الدین صاحب مصنف کلوٹ '
حیدرآباد دکن - صفحے ۶۱ قیمت ۸ آنے - ملنے کا پتہ :- مکتبۂ
ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ ' حیدرآباد دکن)

اس مختصر رسالے میں قابل مؤلف نے حکومت آصفی حیدرآباد دکن کی برکات کا ذکر اعداد و شمار کے ساتھ کیا ہے - مثلاً بیرون ریاست کے باشندوں کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ہندو مندروں ' دھرم سالوں کو بہ صورت نقد سالانہ باون ہزار چار سو اٹھاون روپئے دیے جاتے ہیں اور آراضی کی صورت میں دو لاکھ ایک ہزار نو سو ستاون ایکڑ ان کے لئے وقف ہیں - اسی مقصد کے لئے جو جاگیریں عطا کی گئی ہیں اُن کی تعداد ایک سو اٹھارہ ہے - مسیحی کلیساؤں کو سالانہ چودہ ہزار سات سو پندرہ روپئے دے جاتے ہیں - غیر مسلم معاش داران مذہبی کی تعداد ممالک محروسہ میں بشمول خالصہ و صرف خاص مبارک و سمستان و جاگیرات ایک ہزار نو سو سینتیس ہے - امرائے غیر مسلم و سمستانات کو سلطنت آصفیہ نے جن مواضعات کا عطیہ مرحمت فرمایا ہے اُن کی تعداد نو سو چھیانوے ہے ان مواضع کا رقبہ سات ہزار نو سو نہتر مربع میل ہوتا ہے ؛ ان کی آمدنی پینتالیس لاکھ اڑتیس ہزار تین سو تیرہ روپئے سالانہ ہے - غرض اسی طرح ہر مد اور ہر باب اور ہر شعبے کے اعداد دئے ہیں جس سے ریاست حیدرآباد کی روا داری اور بے

معصمی ثابت ہوتی ہے - تفصیل کے لئے کتاب ملاحظہ فرمائی جائے - اس کے بعد اُن اصلاحوں اور برکتوں کا ذکر کیا ہے جو اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بہادر کے عہد میں عمل میں آئی ہیں —

لایق مولف کی یہ سعی قابل داد ہے

بیداری ہند

(از جناب مہاتما گاندھی ' مرتبہ لالہ مکندی لعل صاحب ہندی - بڑی تقطیع ' صفحے ۴۰۴ قیمت دو روپئے - دارالاشاعت بیداری ہند ' میرٹھ)

اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ ترک موالات کے انقلابی دور کے واقعات پر کوئی مبسوط کتاب لکھی جائے - لالہ مکندی لعل صاحب نے ایک حد تک اس ضرورت کی تکمیل کردی ہے - یہ کتاب کوئی تصنیف نہیں ہے صرف انہوں نے تاریخ ہندوستان کے اس اہم دور کے مختلف مضامین یعنی ینگ انڈیا میں سے اہم مضامین منتخب کرکے ان کا سلیس اردو میں ترجمہ کردیا ہے - ابتدا میں انہوں نے مہاتما گاندھی کے سوانح زندگی بیان کئے ہیں - فاضل مؤلف نے مہاتما جی کے ان ایام زندگی کا نہایت عمدہ خاکہ کھینچا ہے جو انہوں نے ٹالسٹائی کے تتبع میں جنوبی افریقہ میں بسر کئے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ نو آباد ہندوستانیوں کے سیاسی حقوق کے واسطے کشمکش کی - جنگ عظیم کے بعد مہاتما گاندھی کے خیالات میں جو انقلابی شان پیدا ہوتی ہے اس کے اسباب بھی مفصلاً بیان کئے گئے ہیں - پہلی ستیہ گرہ' اس کے انقلاب‌خیز نتائج' امرتسر کے درد انگیز واقعات' مارشل لا اور واقعات ما بعد پر فاضل مؤلف نے ایک گہری نظر ڈالی ہے اور ہنٹر کمیٹی رپورٹ ' بالخصوص مہاتما جی کی شہادت کو بالتفصیل بیان کیا ہے - ترک موالات کے ابتدائی واقعات بھی مختصراً بیان کئے ہیں اور آخیر میں ینگ انڈیا کے ان مضامین کا ترجمہ کیا ہے جو تاریخی اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے نہایت اہم ہیں اس جلد میں اپریل سنہ ۱۹۲۱ ع تک کے معرکۃ‌الآرا مضامین درج ہیں جن میں مہاتما جی نے نہایت صاف طور پر مسئلہ سوراج ' برطانوی طرز عمل اور مسئلہ خلافت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے —

ہم مؤلف کی محنت کی داد دیتے ہیں - زبان سلیس اور شستہ ہے اور ان تمام تعقیدوں سے پاک ہے جو سیاسیات کے اُردو ترجمے میں اکثرپائی جاتی ہیں - لیکن

ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ترجمے میں کئی مقامات پر جملوں کی ساخت بالکل انگریزی کی سی ہوگئی ہے—

ملاحظہ ہو صفحہ ۲۴۰ - " آپ نے ایک ایسے خط پر نکتہ چینی کرکے جیسے آپ نے نہیں دیکھا بلکہ اس کے ایک حصے کا ترجمہ پڑھا ہے مشکل سے اپنے ساتھ انصاف کیا ہے "

صفحہ ۲۲۷ - " تومیں اس امر کا اعتراف کرنے میں آزاد ہوں گا "

صفحہ ۲۲۹ - " زمانہ بدل گیا ہے اور اب اُن نوجوانوں کو جن کے دوش پر سر ہے اور جن کے دلوں میں ضمیر ہے یہ کہنے کی وجہ سے کہ تم اپنے والدین کے احکام کے مقابلہ میں بھی اپنی ضمیر کی اطاعت کرو معجبہ سرزنش کی جاتی ہے-" اس قسم کی خامیاں ترجمہ میں موجود ہیں لیکن باوجود اس کے فاضل مؤلف مستحق مبارک باد ہیں حقیقتاً انہوں نے نہایت کاوش و عرق ریزی سے یہ کام انجام دیا ہے—

تذکرۂ بابر

(مؤلفہ جناب نواب صدر یار جنگ بہادر - صفحے ۶۰
قیمت ۹ آنہ - کتب خانہ مسجد چوک - حیدرآباد دکن)

چالیس برس ہونے کو آتے ہیں کہ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) نے یہ مضمون لکھا تھا جو حیدرآباد کے مشہور رسالے "حسن" میں شایع ہوا تھا اور اُن مضامین میں شمار ہوا جن پر ایک اشرفی انعام دی جاتی تھی—

بابر اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے مغلیہ خاندان میں ایک عجیب و غریب بادشاہ ہوا ہے - فاضل مؤلف نے کتب تاریخ کے مطالعہ کے بعد یہ مضمون لکھا ہے - علاوہ تاریخی معلومات کے جس انداز سے یہ مضمون لکھا گیا ہے (جو مولانا کا خاص طرز ہے) وہ بہت قابل داد ہے- مولانا کی تحریرمیں جو ادبی شان اور ایک بانکپن پایا جاتا ہے وہ اس میں بھی صاف نظر آتا ہے —

متفرق

خزینۂ اخلاق

[مولوی سید عبدالعزیز صاحب عزیز - صفحے ۶۰ - قیمت چھ آنے -
مکتبۂ ابراہیمیہ، حیدرآباد، دکن]

قابل مصنف نے اس کتاب میں اپنے نظم و نثر کے مضامین جمع کئے ہیں - مضامین سب اخلاقی ہیں زبان صاف اور سادہ ہے - لڑکے لڑکیوں کے پڑھنے کے لئے اچھی کتاب ہے - نثر میں صرف سات مضمون ہیں جو نو دس صفحوں میں آگئے ہیں؛ نظمیں دلچسپ اور سادہ ہیں، ساتھ ہی سبق آموز ہیں

علم الصحة

[مولفہ شمس العلما مولوی عبدالجلیل صاحب سابق پروفیسر کوئینسز کالج، بنارس و ڈاکٹر جی ایل داس گپتا، ایم - بی میڈیکل افسر انچارج بنارس اسٹیٹ ہاسپٹل - صفحے ۱۲۴ - قیمت ۱۰ آنے - ملنے کا پتہ - سعید برادرس، برنا کا پل، بنارس چھاؤنی]

اگرچہ یہ کتاب مختصر ہے مگر ہمارے اہل وطن کے لئے بہت مفید اور کار آمد ہے - اس میں گیارہ فصلیں ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے --

پہلی فصل، جسم انسانی - دوسری فصل، ہوا - تیسری فصل، پانی - چوتھی فصل، کھانا پینا - پانچویں فصل، مکان - چھٹی فصل، کوڑا کرکٹ اور غلاظت کی صفائی - ساتویں فصل، لاش کے متعلق - آٹھویں فصل، ذاتی صفائی - نویں فصل، متعدی امراض کے پیدا ہونے کے وجوہ - دسویں فصل، متعدی امراض - گیارھویں فصل، بیماروں کی غذا - آخر میں بطور تتمے کے طاعون اور ہیضے کے متعلق ہدایات درج ہیں -

ہر فصل میں روز مرہ کے کام کی باتیں لکھی ہیں جن کا جاننا صحت کے لئے ضروری ہے اور جدید تحقیقات کے رو سے جو باتیں دریافت ہوئی ہیں وہ بھی درج کر دی ہیں - کتاب عام فہم اور سلیس زبان میں ہے -

---

لازمی ابتدائی تعلیم

[مصنفۂ منشی میوارام صاحب سابق انسپکٹر مدارس - صفحے ۸۳- قیمت ۲ آنے
ملنے کا پتہ :- منشی شانتی کمار صاحب - هیوٹ روڈ - لکھنؤ]

لازمی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ ہر صوبہ میں مصلحان تعلیم کے زیر غور ہے - منشی میوا رام صاحب نے اس کتاب کی تصنیف سے ملک پر بڑا احسان کیا - تعلیم یافتہ حضرات تو ان مسائل کو سمجھہ سکتے ہیں ضرورت اس امر کی تھی کہ اوسط اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ بھی تعلیم کی ضرورت کو سمجھیں - منشی صاحب نے شرح و بسط کے ساتھہ یہ بات ثابت کردی ہے کہ ابتدائی تعلیم ہر طبقہ کے لئے ضروری ہے - اس کے بغیر نہ شہر کا کاریگر اور مزدور اور نہ دیہات کا کسان اپنے فن میں ترقی کر سکتا ہے - کون نہیں جانتا کہ آج مزدور اور کسان سرمایہ دار اور زمیندار کے ظلم و تعدی کا شکار بنا ہوا ہے؛ وہ نہ اپنے حقوق ہی جانتا ہے اور نہ اپنی محنت کی قیمت سے واقف ہے -

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یہ بات اچھی طرح سمجھہ میں آجاتی ہے کہ ابتدائی لازمی تعلیم ہی ہمارے ملک کے اقتصادی امراض کا ازالہ کر سکتی ہے - اس کے بغیر زراعت، دستکاری، مزدوری، صنعت و حرفت غرض کہ کسی پیشے میں ترقی نہیں ہوسکتی آج بھی موجودہ زمانہ کے کسان اور کاریگر کے معلومات ایک ہزار سال قبل کے لوگوں سے زیادہ نہیں - دنیا صدہا میل آگے بڑھ چکی ہے - مگر یہ جہاں تھے وہیں ہیں -

ہمیں امید ہے کہ صوبہ داری حکومتوں کو چاہئے کہ اس کتاب کی اشاعت میں مدد دیں گی اور جلد از جلد لازمی ابتدائی تعلیم رائج کرنے کی کوشش کریں گی جو مہذب ملکوں میں عوام کی ضرورت اولین سمجھی جاتی ہے - اس کے بغیر حکومت ہند کا موجودہ انتخابی نظام کامیاب نہیں ہوسکتا -

بہر حال ابتدائی تعلیم کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا - منشی میوارام کی کتاب ارباب حکومت اور عوام دونوں کے لئے یکساں مفید ہے - کتاب میں زبان کی غلطیاں بہت ہیں مگر یہ ادبی نقص اس مقصد پر کوئی اثر نہیں ڈالتا جو مصنف نے نے پیش نظر رکھا ہے —

لکھائی چھپائی اچھی - کاغذ چکنا ہے - کتاب منشی شانتی کمار صاحب "شانتی نواس" هیوٹ روڈ لکھنؤ سے ۲ آنے میں ملسکتی ہے —

[ط]

اُردو کے جدید رسالے

———:o:———

جدید رسالے جس قدر اس عرصے میں ہمیں وصول ہوے ہیں وہ سب کے سب تقریباً اسی قسم کے ہیں جیسے کہ عام طورپر اور رسالے اس وقت جاری ہیں۔ پہلے ان میں کچھ ادبی مضمون ہیں۔ اور کچھ تاریخی۔ نظم و نثر دونوں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ذوق ادب اور لکھائی چھپائی کی صفائی میں ترقی نظر آتی ہے۔ 'کیف' اجمیر سے شایع ہونا شروع ہوا ہے۔ اس میں ادبی اور تاریخی مضامین کے ساتھ قصے کی بھی چاشنی رہی ہے۔ چونکہ آستانۂ خواجہ اجمیر سے نکلتا ہے اس لئے تصوف کا چھینٹا بھی نظر آتا ہے۔ 'تجلی' ایک سہ ماہی رسالہ ہے جو حال ہی میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا اس میں ادب کے ساتھ تاریخ کا پلہ بھی مساوی ہے۔ رسالہ بہت اچھا ہے اور معلومات کے جمع کرنے کی قابل قدر کوشش کی گئی ہے۔ 'حسن ادب' لکھنؤ سے نکلتا ہے۔ علاوہ نثر کے زیادہ تر حصہ طرحی غزلوں کا ہے۔ ہر لحاظ سے اوسط درجے کا معمولی پرچہ ہے۔ 'بیدار' جوالاپور ضلع سہارنپور سے شایع ہوتا ہے۔ علاوہ ادبی اور اخلاقی نظم و نثر کے مذہبی تحریکوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ دو رسالے عورتوں کے لئے مخصوص ہیں ایک 'نورجہاں' دوسرا 'سہیلی' دونوں امرتسر سے شایع ہوتے ہیں اور سلیقے سے مرتب کئے جاتے ہیں۔ عورتوں کے لئے بلاشبہ مفید ہیں —

یہ سب رسالے سواے 'حسن ادب لکھنؤ' کے لکھائی چھپائی اور کاغذ کے لحاظ سے بھی اچھے ہیں —

جیسے جیسے نئے نئے رسالے نکلتے آتے ہیں لکھنے والے بھی نئے نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں اور لوگوں میں بھی مطالعہ کا شوق بڑھتا جاتا ہے یہ اُردو زبان کی مقبولیت کی دلیل ہے اور اس سے زبان کو ضرور فائدہ پہنچے گا۔ لیکن جو صاحب کسی نئے رسالے کے جاری کرنے کا ارادہ کریں تو انہیں تمام پہلوؤں پر غور کر کے اس میدان میں قدم رکھنا چاہئے۔ ایک آدھ یا چند رسالے جاری کر کے بند کردینا بہت مذموم اور ناعاقبت اندیشی پر دلالت کرتا ہے۔ اردو کے متعدد رسالے اس کے شکار ہو چکے ہیں —

———

انجمن ترقی اُردو کا نیا سہ ماہی رسالہ "سائنس"

اگرچہ اُردو زبان میں رسالوں کی تعداد کچھہ کم نہیں ہے اور آے دن نئے نئے رسالے شایع ہوتے رہتے ہیں، مگر وہ سب کے سب شعر و سخن، خیالی مضامین اور عام ادب تک محدود ہیں۔ جو رسالے علمی کہلاتے ہیں، اُن کی جستجو بھی تاریخ و فلسفہ تک رہتی ہے۔ سائنس سے ہمارے رسالے اور ہماری زبان بالکل خالی ہے۔ سائنس کی تعلیم ہر جگہہ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہوتی ہے، مگر اب تک ہماری زبان پر اس کا کچھہ اثر نہیں پڑا اور اہل ملک میں اس کا ذوق پیدا نہیں ہوا۔ یہ بہت بڑی کمی ہے اور اس کا پورا کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس لئے انجمن ترقی اُردو نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ ایک سہ ماہی رسالہ ایسا شایع کرے جو شروع سے آخر تک سائنس کے مضامین اور سائنس کی تحقیقات کے لئے وقف ہو۔ اس تجویز کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے --

مقاصد

۱ - زبان اُردو کے ذریعے ملک میں جدید تجربی اور طبیعی علوم کی ترویج و اشاعت --

۲ - یورپ و امریکہ کے اکتشافی کارناموں سے اہل ہند کو آگاہ و باخبر کرنا اور انہیں بھی اِن علوم کے سیکھنے سمجھنے اور اُن کی تحقیقات میں حصہ لینے کا شوق دلانا --

۳ - زبان اُردو کو تجربی علوم کے ہر قسم کے مضامین و مطالب ادا کرنے کے قابل بنانا اور جدید علمی یا فنی مصطلحات وضع کرنے کی مشکلات حل کرنا --

---

نظام عمل

۱ - مقاصد بالا کے حاصل کرنے کے لئے انجمن ترقی اُردو اپنے مستقر سے ایک رسالہ موسوم بہ " سائنس " شایع کرے گی، جو سر دست سہ ماہی اور خالص علوم تجربی کے مضامین و مباحث کے واسطے وقف ہوگا --

الف - رسالے کے ہر نمبر میں رسالۂ اُردو کی تقطیع کے کم سے کم سو صفحے ہوں گے اور اسے بہترین ٹائپ میں تصاویر و اشکال کے ساتھہ خوش نمائی کا پورا لحاظ رکھہ کر طبع کیا جاے گا --

ب۔ هند اور بیرون هند کے لائق سائنس دانوں کے مفید اور پر از معلومات مضامین فراهم کئے جائیں گے اور هر مضمون کا کشادہ دلی سے معاوضہ دیا جاے گا ۔
ج۔ انگریزی یا دوسری زبانوں کے مضامین کے اُردو میں ترجمہ کرنے کا مستقل انتظام کیا جاے گا ۔ اور اس بات کا پورا لحاظ رکھا جائیگا کہ تمام مضامین کی زبان تاامکان عام فہم اور سلیس هو —

۵ ۔رسالہ کے مستقل ابواب فی الحال حسب ذیل هونگے :—

(۱) اخبار علمیہ: یعنی جدید انکشافات اور علمی تجربات کی خبریں ۔ایسے مسائل ومباحث حاضرہ کی اطلاعیں جن کا علمی دنیا میں چرچا هے ۔

(۲) علمی مضامین [الف] جاو تجربی کے متعلق پرمغز اور محققانہ مضامین اور ان کے ترجمے ۔ اور [ب] نسبتاً سادہ اور مفید عام مضامین—

(۳) علمی مصطلحات جدید اصطلاحات اور ان کے وضع کرنے کے قواعد پر بحث وتنقید۔

(۴) قدیم علوم تجربی زمانۂ گزشتہ میں طبیعی اور تجربی علوم کی جو کچھہ تحقیقاتیں هوی هیں اُن پر تاریخی اور تحقیقی مضامین۔

(۵) صناعتی علوم: جن کا مختلف مصنوعات کی ایجاد اور تیاری سے تعلق هے ۔

(۶) تبصرے یعنی اعلیٰ درجے کی تازہ علمی کتابوں کو تفصیلی طور پر اُردو خواں حضرات میں روشناس کرنا ۔

۲ ۔ داکٹر مظفرالدین صاحب قریشی [پی ۔ ایچ ۔ ڈی] پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی رسالے کے اڈیٹر ۔منتخب کئے گئے هیں اور اسی غرض سے ان کے تحت میں ایک دفتر حیدرآباد میں قایم کیا جائیگا جو مضامین کی فراهمی ' ترجموں اور ترتیب وغیرہ جملہ فرائض کا ذمہ دار هوگا —

۳ ۔ رسالے کی سالانہ قیمت آٹھہ روپئے کلدار اور ایک نسخے کی قیمت دو روپئے کلدار هوگی —

تصریح :— رسالے کے مصارف کا جو تخمینہ کیا گیا هے اس کے لحاظ سے جب تک پانسو یا کچھہ زیادہ مستقل خریدار نہ هوجائیں ' رسالے کا خرچ پورا نہیں هوسکتا۔ لیکن انجمن ترقی اُردو نے فیصلہ کیا هے کہ کم از کم دوسال تک بطور تجربہ اس کے تمام مصارف کی کفالت کرے ۔ اُمید کی جاتی هے کہ روشن خیال اهل وطن جو اُردو زبان کی ترقی اور ملک میں جدید علوم کی ترویج کے فوائد بخوبی سمجھتے هیں ' اس تجربے میں انجمن کی تا امکان مدد فرمائیں گے —

معتمد انجمن ترقی اُردو' اورنگ آباد [دکن]

یادگار مولانا شرر مرحوم

تین سالانہ انعام

زبان اُردو کے محسن مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کی یادگار میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم پروفیسر جامعۂ عثمانیہ، جناب مولوی عبدالحق صاحب بی-اے، سکتری انجمن ترقی اُردو، اور جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ نے حسب ذیل تین سالانہ انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے—

(۱) "عطاے سلیم"

رسالہ اُردو اورنگ آباد کے سال بھر کے مضامین نثر میں جو مضمون ہر اعتبار سے بہترین اور ادب اُردو کے لئے سب سے مفید ہوگا، اس کے لکھنے والے کی خدمت میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم کی طرف سے مبلغ ۲۰۰ روپیہ کلدار پیش کیا جاے گا۔

(۲) "عطاے عبدالحق"

رسالہ اُردو کے سال بھر کے مضامین نثر میں دوسرے درجے کے سب سے اچھے مضمون پر ۱۲۵ روپیہ کلدار کا انعام جناب مولوی عبدالحق صاحب بی-اے، عطا فرمائیں گے—

(۳) "عطیۂ ہاشمی"

کے نام سے تیسرا انعام ۱۰۰ روپیہ کلدار کا، مولوی سید ہاشمی صاحب اُن صاحب کی نذر کریں گے جن کی نظم رسالہ اُردو کے سال بھر کی نظموں میں سب سے اچھی اور اعلیٰ درجے کی ہوگی—

انعامات کا آغاز، سال رواں سنہ ۱۹۲۷ ع سے ہوگا۔ اور ہر سال کے اخیر مہینے میں جو حضرات اہل سمجھے جائیں گے اُن کی خدمت میں رقم ارسال کرکے رسالے میں اس کا اعلان ہوتا رہے گا۔ انعام کی اہلیت کا فیصلہ صرف معطیان کی متفقہ رائے پر منحصر ہوگا—

المعـــــــــــلن

مدیر رسالۂ اُردو اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصہ میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے - جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے - اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے - ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے - جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے - خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۳ روپیہ—

سرگذشت حیات (یا) آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے لیکر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے (حجم ۳۰۰ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

تذکرۂ شعرائے اُردو

مولفۂ میر حسن دہلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے - اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۹ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

تاریخ تمدن

سر تامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد دو روپیہ - حصۂ دوم مجلد دو روپیہ —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ھکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی شہادت ہے - اس میں مظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃالآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہیٰ کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں' ان سب کو جمع کر دیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ —

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد ۲ روپیہ —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - ۳۰۰ صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

گئے ہیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ - مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

مشاہیر یونان و روما

ترجمہ ہے - سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم‌الثبوت چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ - مجلد ۴ روپیہ جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

اسباق‌النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی اے کی تالیف ہے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۹ آنہ - حصۂ دوم مجلد ۶ آنہ —

علم‌المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے - معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے - مبہم و مشکل مسائل کو پانی کردیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ہے (حجم ۸۸۵ صفحے) قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ —

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے - ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں، اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے - قیمت مجلد ۲ روپیہ —

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں - قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر مثلاً (ہوا - پانی غذا - لباس - مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

کی بہترین تصنیف ہے ۔ اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا
حجم ایک ہزار صفحے ۔ قیمت مجلد چار روپیہ —

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استاد الشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے ۔ اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں ۔ نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں ۔ مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے ۔ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

فلسفۂ جذبات

کتاب مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے ۔ جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے ۔ متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ غیر مجلد دو روپیہ —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحید الدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مؤلف "یہ بالکل نیا موضوع ہے ۔ میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کیے گئے ہیں ۔ مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی' مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے ۔ سابقوں اور لاحقوں ۔ اردو مصادر اور ان کے مشتقات ۔ غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثوں زبان کے متعلق آگئی ہیں ۔ اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں ۔ لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں ۔ اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں ۔ اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوئے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے ۔ مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا ۔ اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے ۔ تعداد صفحات ۳۰۵ ۔ قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ہے - اُردو زبان میں پہلی تحریر ہے - جو اِس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قی مجلد ایک روپیہ - غیر مجلد ۸ آنہ —

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے - اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت کلد آشوری ' بابل - بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد - اور صنعت و حرفت وغ حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دیے ہیں - اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی ج ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اِسے خاص طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لئے جابجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی' اے - نے مختلف انگ کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے' کہاں سے آ کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لئ مفید ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنے —

البیرونی

مصنفۂ مسٹر سید حسن برنی بی' اے - اس کتاب میں علامۂ ابوریحان بیر سوانحی حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند اور دیگر تصا تفصیل کے ساتھہ تبصرہ کیا گیا ہے - یہ کتاب انجمن ترقی اُردو میں باقی نہیں تھی مگر اب اس کی چند جلدیں آگئی ہیں جن اصحاب کے پاس نہ ہو جلد فرمالیں قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ غیرمجلد ڈیڑھ روپیہ —

تاریخ ہند

ہندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ سرکار نظام کی فرمایش پر لکھی ہے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اس کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گ تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے - چھوٹے سائز صفحہ قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ھیں

[سب قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں]

انتخاب زریں

نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ریاست حیدرآباد دکن نے اُردو شعرا کے ی و حال کے کلام کا اِنتخاب فرمایا ھے - اِس میں شعرا کا مختصر حال اور اُن کا کلام کے اسنے کی ترتیب کے لحاظ سے دیا ھے - عمدہ چکنے کاغذ پر نظامی پریس بدایوں نے ہ تیا ھے اور جلد بھی بہت خوبصورت ھے - قیمت فی جلد ڈھائی روپیہ —

قاموس المشاهیر

جلد اول و دوم

، زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ھے - یعنی دنیا کے کل مشہور لوگوں کے حالات ختصر طور پر بیان کردئے گئے ھیں - ھندوستان کے لوگوں اور مسلمانوں کے حالات زیادہ میل سے لکھے ھیں - مطبوعہ نظامی پریس بدایوں قیمت جلد اول چھہ روپیہ ' جلد دوم ، روپیہ —

فسانۂ جوش

مسٹر سلطان حیدر جوش کے بعض مضامین کا مجموعہ - مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ یمت ایک روپیہ —

مجموعۂ قصائد مومن

ھندوستان کے مشہور نازک خیال شاعر حکیم مومن خاں مومن دھلوی کے اُردو قصاید - مرتبۂ یاء احمد صاحب ایم - اے مع مقدمہ و حواشی مطبوعہ الناظر پریس قیمت بارہ آنہ -

گوتم بدھ

ھندوستان کے مشہور رھنما مہاتما بدھ کی مختصر سوانح عمری اور اُن کی تعلیمات کا اصہ مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ —

مسالک النظر فی نبوت سید البشر

لفہ سعید بن حسن الاسکندرانی مترجمہ مولوی محمد نعیم الرحمن صاحب ایم - اے طبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ —

حکایۂ لیلی مجنوں

ک دلچسپ افسانہ مصنفہ مولوی سید سجاد حیدر صاحب بی - اے مطبوعہ الناظر یس قیمت چار آنہ —

مقتل فریب مغربی محمل خانے

لفہ مولوی سید طالب علی طالب الہ آبادی مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن

کلیات ولی

ولی دکنی کے نام سے کون اردو داں واقف نہ ہوگا - اسے اردو شاعری کا بابا آدم کہتے ہیں - اور یہی گویا ہماری قدیم شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم بردار ہے - اور اس کا کلام اُس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل مرقع ہے —

یہ کلیات جناب احسن صاحب مارہروی نے نہایت محنت، کاوش اور قابلیت سے مرتب کیا ہے - اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ہے - اب تک ولی کے جو دیوان کہیں کہیں چھپے اور ملتے ہیں اکثر غلط اور نامکمل ہیں - یہ کلیات ۱۷ - ۱۸ قدیم، قلمی، نایاب نسخوں سے مقابلہ اور صحیح کرکے کئی سال کی لگا تار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ہے —

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرہنگ ہے جس میں ان تمام قدیم، متروک، اجنبی، ہندی، دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں جا بجا آے ہیں - آخر میں پورے دو سو صفحے کا ایک ضمیمہ اختلاف نسخ ہے جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ہے، دیوان کی ہر غزل کے نمبر کا حوالہ دیکر بتا دیا ہے - یہ ضمیمہ ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے - اور کئی ماہ کی مسلسل محنت کے بعد تیار ہوا ہے ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن نے اپنے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے، قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری اور قدر دان اُردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود رہے - حجم تقریباً آٹھ سو صفحات - قیمت مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ —

مثنوی خواب و خیال

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لاجواب مثنوی مدت سے نایاب تھی، بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا، اُردو کی خوش نصیبی

(نوٹ) ذیل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

یہ انجمن ترقی اردو کو دستیاب ہوگئی ، اور اب خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ اردو ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر ، طبع کی گئی ہے ، جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرماکر اس نایاب مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے ۔ یہ نادر مثنوی آج تک نایید تھی ، تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آ جاتا ہے ۔ حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جو بجا آئی ہیں ، جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ہیں۔ یہ مثنوی اردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے قدر دان اردو کی خدمت میں اس سال کا جدید علمی ہدیہ ہے جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے ۔ حجم دو سو صفحے سے زاید ، قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ غیر مجلد ایک روپیہ —

قواعد اُردو

یہ کتاب جناب سکریٹری صاحب انجمن ترقی اُردو کی بیش بہا تالیف ہے ، اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ زبان اردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر، سہل، جامع کتاب تصنیف نہیں ہوئی ہے ۔ ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوئی ۔ جامعہ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے ۔ اب جناب مولف و مرتب کی بے حد کاوش اور غور سے نظر ثانی ، ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ہے ، شروع میں اُردو زبان اور اس کے ادب پر لاجواب بسیط مقدمہ بجائے خود قابل دید ہے ۔ انجمن نے اپنے پریس میں، عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے ۔ کاغذ بہت عمدہ ، جلد نہایت نفیس اور مضبوط ، قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے سکہ انگریزی ، غیر مجلد دو روپے سکہ انگریزی —

انتخاب کلام میر

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدردان اُردو واقف نہیں ، یہ انہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے ۔ جو جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ہے ، یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہوچکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کرلیا ہے —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اردو پریس نے اپنے مشہور، نفیس ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے - کاغذ چکنا، نہایت عمدہ، حجم دو سو صفحات سے زیادہ، جلد نفیس اور مضبوط - شروع میں فاضل مرتب کا نہایت زبردست فاضلانہ و ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ ہے، قیمت مجلد دو روپے -

لغت اصطلاحات علمیہ

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ، جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں:-

Astronomy, Botany, Economics, History, (Constitutional, Greece England etc); Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differntial Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archæology, Biology.

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین فن و ماہرین لسان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے - مصنفین، مترجمین اور معلمین کے لئے نا گزیر ہے -

حجم ۵۳۸ صفحہ - قیمت مجلد چھہ روپے -

یہ بیش بہا کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ‌آباد دکن سے مل سکتی ہیں

دیوان غالب جدید و قدیم

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بے حد انتظار تھا - اس میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے - میرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے - مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم - مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ - غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنہ -

حقیقت اسلام

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر، کے، سی، آئی، ای، سی، ایس، آئی، ایم، اے، بی، ایل، ایف، آر، ایس، چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹ آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے - اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں -

مدالعے کا بیان کیا ہے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ہوتے ہیں، زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے - جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ، فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ہے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر مجلد چھپی ہے - انجمن سے بارہ آنہ میں مل سکتی ہے -

تمدن ہند

مصنفۂ ڈاکٹر گستاؤ لی بان مترجمہ مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم - اس کتاب سے کون واقف نہیں ! ہر جگہ اس کے شائق موجود تھے مگر کہیں نہ ملتی تھی - اب اس کی چند جلدیں انجمن ترقی اردو میں آگئی ہیں - اور بہت کم قیمت پر بیچی جا رہی ہیں - جلد منگوا لیجئے ورنہ اس کتاب کا دوبارہ چھپنا مشکل ہے - قیمت فی جلد مجلد پندرہ روپیہ —

تاریخ زوال روما

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

تاریخ عرب

مصنفۂ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتاب خانوں کی زینت ہیں - مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے - ساتھ ہی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپیہ ۸ آنہ ، مجلد پارچہ ۵ روپیہ —

بانگ درا (مطبوعہ لاہور)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا مجموعہ مع دیباچہ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایڈیٹر مخزن لاہور قیمت غیر مجلد ۴ روپیہ —

یادگار غالب

یعنی مرزا اسداللہ غالب دہلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے اقسام نظم و نثر، اردو فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفۂ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپیہ —

شعر و شاعری

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے اُردو دیوان کا لاجواب مقدمہ

(نوٹ) ذیل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اُردو زبان میں اب تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد سوا روپیہ —

موازنۂ انیس و دبیر

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ - مؤلفہ مولانا شبلی نعمانی قیمت فی جلد مجلد چار روپیہ - غیر مجلد تین روپیہ —

وکرم اُروسی

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اُردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مترجمۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی - اے مرحوم - قیمت مجلد دو روپیہ - غیر مجلد تیرہ روپیہ —

خطوط شبلی

علامہ شبلی مرحوم کے یہ وہ لاجواب اور نادر خطوط ہیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی ' زہرا بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھ لکھے تھے - یہ جواہر پارے اُردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یادگار ہیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کرکے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب ' بی - اے معتمد انجمن ترقی اُردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے - جس نے اِن خطوط کے جذبات ' اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بے نقاب کردیا ہے - مرتبۂ محمد امین صاحب مارہروی و جناب قیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ —

دیوان غالب مطبوعہ جرمنی

غالب کے کلام کی قدر اور جو مانگ ہے ' ہر صاحب ذوق جانتا ہے ' اُس کے دیوان کا ایک اڈیشن نفاست پسند طبایع کے لئے جرمنی کے مشہور کاویانی پریس میں جامعۂ ملیہ نے چھپوایا تھا جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا - دوسری بار پھر اسی اہتمام و نفاست سے طبع ہوا ہے - ٹائپ ' کاغذ ' چھپائی ' جلد ' سائز ' ہر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے - قیمت چار روپیہ —

محشر خیال

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل پارہ بنکی کے چند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دہلی نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش نگار ادیب تھے ' اُن کے مضامین خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے ' جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے - لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ ' سائز مختصر ' جلد نہایت نفیس ' اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے ' قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

چمن

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اساتذۂ اُردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے- کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت و کتابت کے ساتھ عید کے موقعہ پر دوست احباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے - قیمت ۵ آنہ —

اُردوے قدیم

مجلس دارالمصنفین حیدرآباد کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں اُردو اور اُس کے نظم و نثر کی مفصل تاریخ اور عہد بعہد کی ترقیوں کا تذکرہ ہے ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے عہد آخر تک شعراء اور مصنفین اُردو کے صحیح خیالات تحریر ہیں ' جسے مشہور محقق مولوی شمس اللہ قادری ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی ' فارسی اُردو ' انگریزی ' فرانسیسی ' جرمنی وغیرہ زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے مرتب و تالیف کیا ہے- قابل دید ہے- قیمت قسم اول دو روپیہ ' قسم دوم ایک روپیہ آٹھ آنہ -

معراج العاشقین

یہ کتاب بھی مجلس مذکور کے مطبوعات میں ہے اور حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز [رح] کی تصنیف ہے ' جنھوں نے سنہ ۸۲۵ ھ میں انتقال فرمایا - اس کتاب میں حضرت کے بعض مواعظ و ارشادات قدیم اُردو یعنی دکنی اُردو میں لکھے ہیں - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمہ کے ساتھ چھپی ہے - قیمت ۶ آنہ —

مسکوکات قدیمہ

جنوبی ہندوستان کے طلائی سکوں کی تاریخ اور حالات و اقسام جن کو " ہون " کہا جاتا تھا ' آخر میں اُن کی فہرست اور تصاویر بھی شامل ہیں - طلباے تاریخ دکن کے لئے بہت مفید ہے - مرتبہ مولوی شمس اللہ صاحب ' قیمت ۶ آنہ —

ظہیر فاریابی

یہ رسالہ بھی مجلس مذکور کی مطبوعات میں ہے ' اس میں فارسی کے مشہور و قدیم الایام شاعر ظہیر فاریابی کے حالات و سوانح وغیرہ کے علاوہ اُس کے کلام پر قابلانہ

(نوٹ) کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

تبصرہ کیا گیا ہے - قیمت ۹ آنہ —

طہران مخوف (یا) یادگار یک شب - جلد اول

جدید فارسی زبان کا ایک دلچسپ اور اثر انگیز ناول ہے - جس میں موجودہ ایران کی سیاسی و انتظامی حالت کا ہو بہو خاکہ کھینچا ہے - وہاں کی بدنظمیوں اور قابل اصلاح عیبوں کو دکھایا ہے ' مرتضیٰ مشفق کاظمی - تین فاضل ایرانی ادیبوں کی تصنیف ہے اور بڑی پایہ تصنیف جرمنی کے مشہور کاویانی پریس نے نہایت عمدہ طبع کیا ہے - قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

صوفی پنڈی بہاءالدین کی کتابیں

غازی انور پاشا

انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ اور حیرت انگیز کار روائیاں - طرابلس کی نبرد آزمائیاں جنگ بلقان کے معرکے اور جنگ عظیم کے حالات - عالمگیر اتحاد اسلامی کی ایک منظم کوشش - یہ کتاب بتائیگی کہ یورپ نے کس طرح اسلام کی تباہی کے لئے خفیہ سازشیں کیں - غازی موصوف کی زندگی کے مکمل حالات - قیمت ڈیڑہ روپیہ —

مسئلۂ شرقیہ

علامہ مصطفیٰ کمال پاشا کی کتاب " المسئلۃالشرقیہ " کا اردو ترجمہ - اس کتاب میں سیاسیات اسلامی کے تمام اسرار اور رموز بےنقاب کردیے گئے ہیں - قیمت دو روپیہ —

امین و مامون

علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کے عربی ناول کا ترجمہ - مامون رشید اور امین اور ہارون‌الرشید کی سیاسی چالیں ' تخت خلافت کے لئے جد و جہد - تاریخی ' علمی اور ادبی لحاظ سے قابل دید ہے - قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے -

تاریخ افغانستان

اتحاد اسلامی اور پین اسلام ازم کے موجد سیدجمال‌الدین افغانی کی اس کتاب کا ترجمہ جو سید موصوف نے افغانستان کی سوئی ہستی کو جگانے کے لئے لکھی - قیمت سوا روپیہ —

سید جمال‌الدین افغانی

(مرتبہ مولوی ظفر علی خاں صاحب بی اے ایڈیٹر زمیندار)

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ اس بزرگ ہستی کے حالات زندگی ہیں جس نے موجودہ ترک احرار پارٹی کا بیج بویا اور آزادی کی روح پھونکی اور غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کا سبق دیا، قیمت ۵ آنے —

دربار علم

عالم خیال میں دربار علم کا انعقاد۔ افتتاحی تقریر اور سات علمی درباروں کے بعد موجودہ تعلیم و تدریس کی بد عنوانیاں، علما و طلبا، شان تعلیم و تعلم کا نہ رہنا، اور ان خرابیوں کا علاج۔ مولفہ مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی قیمت تیرہ روپیہ —

فقرائے اسلام

مولفہ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی ان بوریا نشینان دین اور علمائے اسلام کے حالات جنہوں نے باوجود فقر و فاقہ اسلام کے اصول و ارکان کو مستحکم کیا۔ ان کی فیاضی، ہمدردی، قناعت، توکل اور بے نیازی کے بے نظیر نمونے۔ قیمت تیرہ روپیہ —

پھل اور میوہ جات

ہر قسم کے ثمرات اور میوہ دار درختوں کی کاشت اور ان کی نگہداشت کے طریقے قیمت ۸ آنہ —

ترکاریاں

ہر طرح کی ترکاریوں کی کاشت اور نگہداشت کے طریقے۔ قیمت ۸ آنہ —

اسلامی کہانیاں

(مسلمان بچوں کے لئے) صحابۂ کرام، تابعین، مجاہدین اور علمائے سلف کے ایثار، جوانمردی اور کریم النفسی کے حالات سے کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ قیمت ۴ آنہ —

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)		کلیات شبلی	تیرہ روپیہ
سیرۃ النبی حصۂ اول	۴ روپیہ	اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	۸ روپیہ
سیرۃ النبی حصۂ دوم	۳ روپیہ ۸ آنہ	انقلاب الامم	۲ روپیہ
سیرۃ النبی حصۂ سوم	۹ روپیہ	برکلے	تیرہ روپیہ
شعر العجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپیہ	مکالمات برکلے	تیرہ روپیہ
سفر نامۂ مولانا شبلی	۲ روپیہ	مثنوی بحر المحبت	۱۴ آنہ
علم الکلام	۲ روپیہ	تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی)	۲ روپیہ
الکلام	۲ روپیہ	سیر الصحابیات	۲ روپیہ ۴ آنہ

(نوٹ، کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

روح الاجتماع ۲ روپیہ
اہل رشد ۴ روپیہ
گل رعنا ۵ روپیہ
سیرالانصار ۳ روپیہ ۸ آنہ
شعرالہند مجلد ۵ روپیہ
شعرالہند غیر مجلد ۴ روپیہ

(مطبع کاویانی برلن)

نہائر (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ سنی ملوک الارض (عربی)
۲ روپیہ ۸ آنہ
نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ
رہنمائے پسران (فارسی) ۱ روپیہ ۸ آنہ
تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ
ہزار و یک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ دہلی)

الخلافت الکبریٰ ۵ روپیہ
الصراط المستقیم ۲ روپیہ
بصائر ۶ آنہ
سیرۃ الرسول ڈیڑھ روپیہ
خلافت راشدہ ۲ روپیہ
خلافت بنی امیہ ڈیڑھ روپیہ
خلافت عباسیہ ۲ روپیہ
خلافت عباسیۂ بغداد ۲ روپیہ
مبادی معاشیات ۱ روپیہ
انتخاب کلام میر (از نورالرحمن صاحب)
۱ روپیہ
قواعد عربی ۲ روپیہ
عرض جوہر ۸ آنہ
مجموعۂ کلام جوہر ۶ آنہ

اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
ازہارالعرب (عربی) ۸ آنہ
انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ
خطبۂ شیخ الہند ۲ آنہ
خطبہ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنہ
ہمارے نبی ۸ آنہ
تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنہ

(نظامی پریس بدایوں)

قاموس المشاہیر جلد اول ۶ روپیہ
قاموس المشاہیر جلد دوم ۶ روپیہ
نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
دیوان جان صاحب مجلد ڈیڑھ روپیہ
دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن)
ڈیڑھ روپیہ
خطوط سر سید قسم اول ۳ روپیہ
خطوط سر سید قسم دوم ۲ روپیہ
لیتھو گرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
انتخاب زریں مجلد ۲ روپیہ
مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیہ
مراثی انیس جلد دوم قسم اول ۸ روپیہ
قسم دوم ۱۳ روپیہ
قصائد ذوق ۳ روپیہ

(دائرۂ ادبیہ - لکھنؤ)

یادگار غالب مجلد ۳ روپیہ
مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

مکاتیب اکبر — ۱ روپیہ
مہلاے سخن — ۱ روپیہ
حزن اختر — ۸ آنہ
درس عمل — ۴ آنہ
خواتین انگورا — ۱ روپیہ
بیگمات بلقان — ۶ آنہ
اسلام کا اثر یورپ پر — ۴ آنہ
مشرقی ترکستان — ۶ آنہ
سیاحت زمین — ۱ روپیہ
سیاحت ہوا — ۱ روپیہ

(الناظر پریس - لکھنؤ)

فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب — ۱ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ عرب مجلد — ۷ روپیہ
موازنۂ انیس و دبیر غیر مجلد — ۳ روپیہ
مقدمۂ شعر شاعری — ۱ روپیہ ۴ آنہ
اصول المسح — ۶ آنہ
مسلمانان اندلس — ۱ روپیہ
اسرار رنگون — ۱ روپیہ
هوم رول — ۵ آنہ
خوان دعوت — ۱ روپیہ
مصنوعی شوہر — ۲ آنہ
رسم عروسی — ۱ روپیہ ۸ آنہ
مسلمانوں کی تہذیب — ۶ آنہ
الاحسان — ۸ آنہ
ارض نہرین — ۴ آنہ
تذکرۂ حزین — ۴ آنہ
حیات نظامی — ۴ آنہ
خطاب — ۴ آنہ

میلاد نبوی — ۴ آنہ
تصویر درد — ۴ آنہ
شمع و شاعر — ۲ آنہ
فریاد اُمت — ۳ آنہ

(دارالاشاعت پنجاب - لاہور)

صبح زندگی — ۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی — ۱ روپیہ ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ — ۲ روپیہ ۴ آنہ
منازل السائرہ — ۱ روپیہ
سلجوک — ۱۰ آنہ
جواہر قدامت — ۱ روپیہ ۸ آنہ
تحفۂ سائنس — ۲ روپیہ ۸ آنہ
مشاہیر ہند — ۲ روپیہ ۸ آنہ
نیلی چھتری — ۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری — ۱ روپیہ
اختر النساء بیگم — ۱ روپیہ ۸ آنہ
روشنک بیگم — ۲ روپیہ
رانی کرونارت — ۱ آنہ
رسوم دہلی — ۴ آنہ ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر — ۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر — ۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ — ۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی مکمل — ۳ روپیہ
پریم بتیسی حصہ اول — ۱ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد — ۴ روپیہ
نعمت خانہ — ۱ روپیہ ۴ آنہ
چلدن ہار — ۲ آنہ
انمول موتی — ۱ آنہ ۹ پائی
سوکن کا جلاپا — ۶ آنہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

گوہر مقصود	۹ آنہ	تین توپیاں	۸ آنہ
لیلی	۲ روپیہ	ظفر کی موت	۴ آنہ
سواء السبیل	۱ روپیہ	فراق	۸ آنہ
سخندان پارس	۱۰ آنہ	بکھرے دل	۸ آنہ
قوانین دولت	۴ آنہ	(دوسری قابل قدر کتابیں)	
میلا	۱۲ آنہ	رسائل شبلی	۱ روپیہ ۸ آنہ
چترا	۱۲ آنہ	کتب خانۂ اسکندریہ	۵ آنہ
امتیاز پچیسی	۸ آنہ	بشری	۶ آنہ
دلپسند کہانیاں	۱۲ آنہ	ذکری	۱۰ آنہ
دلچسپ کہانیاں	۱۰ آنہ	سیر المصنفین	۲ روپیہ
(مصنفہ نور الہی و محمد عمر صاحبان)		جہاں آرا بیگم	۸ آنہ
موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپیہ		
ناٹک ساگر [یعنی دنیا کے ڈراما کی تاریخ] مجلد	۳ روپیہ		

رسالہ اُردو کے خریداروں کے ساتھ خاص رعایت

رسالۂ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی ہوئی کتابیں فی روپیہ چارآنہ کمی قیمت کے ساتھ دی جائیںگی - اُمید ہے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُٹھائیںگے —

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں' ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اب اُن مہربان معاونین کی فہرست مرتب کررہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو' وہ بغیر اُن سے دوبارہ دریافت کئے تیار ہوتے ہی اُن کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانہ کردی جایا کرے - ہمیں اُمید ہے کہ قدردان زبان اُردو ہمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے کہ اُن کے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج کرلئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شایع ہو فوراً بغیر دوبارہ دریافت کئے روانہ کردی جایا کرے - یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجائے گی - ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے بہی‌خواہ ہیں اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے—

اِن معاونین کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کرکے روانہ ہوں گی—

المشتہر

انجمن ترقی اُردو- اورنگ آباد (دکن)

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کے تصانیف
جو دفتر دلگداز کترہ بزن بیگ خاں لکھنؤ
میں موجود ھیں

(تاریخ اور لائف)

جنید بغدادی

سلسلۂ مشاهیر اسلام کی پہلی کتاب، حضرت جنید قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی - آپ کی تعلیمیں، آپ کا تصوف اور آپ کا فلسفۂ الٰہی ۱ روپیہ —

حسن بن صباح

بانیء فرقۂ باطنیہ کے حالات زندگی - اُس کی تعلیمیں اُس کا علم و فضل اور اس کے جانباز فدائی - ۲ آنہ —

ملکۂ زنوبیہ

ارض شام کی ایک عربی نژاد ملکہ جو ظہور نیر اسلام سے کئی صدی پہلے دولت روم سے لڑی تھی اور بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا - ۳ آنہ —

افسانۂ قیس

مجنون عامری کے مختصر حالات زندگی - جو ایک مضمون کی حیثیت سے دلگداز میں شایع ہوے تھے - ۳ آنہ —

ابوبکر شبلی

آپ کے حالات، آپ کا جوش وحدت اور جذب و خروش ۱ روپیہ —

خواجہ معین الدین

حضرت قطب الہند خواجہ اجمیری کے مستند تاریخی حالات و کمالات - ۲ آنہ —

سکینہ بنت حسین

جناب امام حسین (رض) کی صاحبزادی کے سچے تاریخی حالات - ۶ آنہ —

قرۃ العین

ایران کی ایک مشہور مجتہد زادی کے دلچسپ حالات زندگانی - آنہ —

ولادت سرور عالم

مولد شریف مصنفہ علامہ ابوالفرج بن جوزی رحمۃ اللہ کا اُردو زبان میں فصیح و بلیغ ترجمہ - نثر کا نثر میں اور نظم کا نظم میں ۸ آنہ —

ذی النورین

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی ۱۰ آنہ —

ثانی اثنین

حضرت ابوبکر صدیق (رض) کے حالات زندگی ۶ آنہ —

ابوالحسنین

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات زندگی ۸ آنہ —

—— :o: ——

(ناول)

یوسف و نجمہ مکمل

ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول - ہندوستان میں مسلمانوں کے عہد کا ایک واقعہ - جگ بیتی نہیں آپ بیتی - کیا موثر ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری ۱ روپیہ ۸ آنہ —

شوقین ملکہ

دوسری صلیبی لڑائی کے واقعات الینر ملکۂ فرانس کی عشق بازیاں - مردوں کے پہلو میں زنانہ کیمپ اور اُس کی سحر آفرینیاں - عجب مزے کا ناول ہے ۱ روپیہ ۸ آنہ —

فتح اُندلس

اسپین پر عربوں کا حملہ - جولین حاکم سبطہ کی بیٹی کے ساتھ مسیحی شاہ اسپین کی دغابازی - اور آخر اُن مظالم کا مسلمانوں کے ہاتھ سے عجب لطف کے

ساتھہ خاتمہ - عبرت ملاحظہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ زور بیان نے سچے واقعات میں کیسی جان ڈالی ہے ۲ روپیہ —

مقدس نازنین

ایک انگریز لڑکی کا علم و فضل اور ظاہری زہد و تقوے میں ترقی کر کے پوپ منتخب ہو جانا - مسند پاپائی پر بیٹھہ کے اُس کا وضع حمل - مسیحیوں میں شورش اور مسلمانوں کے ہاتھہ سے اُس کا نجات پانا ۱ روپیہ ۸ آنہ —

فلورا فلورلندا

ہسپانیہ کے عہد خلافت آل مروان میں عیسائیوں کی حالت اور اُن کا مجذونانہ جوش شہادت - ایک مسلمان لڑکی کو بہکا کے خراب کرنا اور اُس خرابی کا تعصب انگیز اور محو حیرت بنا دینے والا انجام ۱ روپیہ ۸ آنہ —

ایام عرب

[دو حصہ] - جاہلیت عرب کے رسم و رواج - شاعری اور بہادری - رزم اور بزم صحرا کا عشق اور محل کا عشق - دو عربی شاہزادیاں اور دو عربی سچے بہادر نوجوان اور پھر اُس کے ساتھہ عربی مکاری دغابازی اور انتقام لینے کی تصویر - دربار بنی غسان دربار بنی نعمان اور دربار خسرو پرویز کے حالات - شیریں و مریم کی سرگذشت ۲ روپیہ ۸ آنہ —

ملک العزیز ورجنا

تیسری صلیبی لڑائی - رچرڈ شیر دل - اور صلاح الدین اعظم - معرکۂ کارزار - جانبازی اور سرفروشی - اور پھر اُس کے ساتھہ سچا عشق - دس آنہ —

حسن اینجلنا

روس اور روم کی لڑائی - ایرانیوں اور ترکوں کی پھوٹ - اس کا انجام اور پھر آخر میں اتفاق اور اتحاد - دس آنہ —

منصور موہنا

ارض سندھ میں ایک مسلمان انصاری خاندان - اس کی تباہی اور پھر محمود غزنوی کی مدد سے اس کا سنبھلنا - حسن و عشق کی نہایت دلفریب و دلکش تصویریں - مسلمان مجاہدوں کے آگے آگے مسلمان فقرا اور اسلام کے مشنری - دس آنہ —

فردوس بریں

نہایت ہی حیرت انگیز ناول - فرقۂ باطنیہ - حشیشین - اور اُن کے فدائی - جیتے جی

منیجر دلگداز کلرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

جلنت کی سیر - ایک عازم حج لڑکی کا حور بن جانا - اور اُس کے عاشق کا باطنی لوگوں کے ہاتھہ میں پڑ کے خراب ہونا۔ اعلیٰ درجہ کا ظاہری فلسفۂ الٰہی اور اُس کا دوسرا نہایت تاریک باطنی رخ ۔ اس مسئلے کی توضیح کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے۔ بے مثل و بے نظیر ناول ہے۔ قیمت ایک روپیہ —

شہید وفا

غرناطہ اور اسپین میں مسلمانوں کا زوال اور اس زوال کی حالت میں بھی ایک سچے عاشق کا راستبازی پر جان دیدینا - بیتابانہ عشق - حسرت و اندوہ کی سچی تصویر قیمت ایک روپیہ —

درگیش نندنی

بابو بنکم چندر چٹر جی کے اسی نام کے دلچسپ ناول کا ترجمہ نہایت فصیح اُردو میں۔قیمت ایک روپیہ —

دلچسپ

[دو حصے] مہالک کا پہلا زور قام - عشق اور اُس کی بیتابیاں - خاندانی جھگڑے- بگڑے شریف زادے۔اس کا دلکش لٹیریچر خاص شان اور خاص رنگ کا ہے — قیمت چودہ آنہ —

دلکش

[دو حصے] طالب علمی اور عشق - نہایت ہی پیاری زبان اور سچا جوش عشق نہایت دلکش و پر لطف۔ قیمت چودہ آنہ —

ڈاکو کی دولہن

ایک نہایت ہی دلچسپ انگریزی ناول جس کا ترجمہ کرکے دلگداز میں شایع کیا گیا - اور عموماً پسند کیا گیا - قیمت بارہ آنہ —

آغاصادق کی شادی

لکھنؤ کے اگلے دور کی ایک مزہ دار تصویر-جو عورتیں دھوکہ دے کے کوئی اور صورت دکھا دینا معمولی بات سمجھتی ہیں اُن کی غفلت کا خمیازہ— قیمت دس آنہ —

بدرالنسا کی مصیبت

ایک حسرت ناک داستان جس میں ریل پر بیبیوں کے بدل جانے سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوئیں۔ قیمت چھہ آنے —

میوۂ تلخ

ایک دلچسپ ڈراما رضامندی اور نارضامندی کی شادیاں۔قیمت آٹھ آنے —

الفانسو

ایک سچا عاشقانہ تاریخی ناول جو بہت دلچسپ ہے قیمت بارہ آنے —

بابک خرمی

سلطنت عباسیہ کے زمانے کا ایک تاریخی ناول۔ ہر دو جلد ایک روپیہ آٹھ آنے۔

جویائے حق

حضرت خاتم الانبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مبارک حالات نہایت دلچسپ عنوان سے ازولادت تا رحلت۔ حصۂ اول ایک روپیہ چار آنہ، حصۂ دوم دو روپیہ بارہ آنہ کامل چار روپیہ —

فلپانا

ارض طرابلس الغرب پر صحابہ کا حملہ حضرت عثمان ذوالنورین کا عہد۔ صحابہ کی پاکبازی و نیک نفسی۔ سچی شجاعت اور ایثار نفس۔ شاہزادی فلپانا اور عبداللہ بن زبیر [رض] قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے —

زوال بغداد

شیعہ سنیوں کی نااتفاقی کا عبرتناک نتیجہ۔بغداد کی تباہی قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔

رومۃ الکبریٰ

قدیم دولت روم اس کا کر و فر اور گاتھ لوگوں کا اس پر حملہ۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے —

قیس و لبنیٰ

عرب کا سچا عاشق اور سچے جذبات محبت۔ ۱ روپیہ ۴ آنہ —

لعبت چین

عہد صحابہ کا ایک تاریخی ناول جس میں فتوح ما وراءالنہر کے حالات مذکور ہیں۔ ۱ روپیہ —

مفتوح فاتح

بنی امیہ کے عہد میں اسپین کا ایک سچا تاریخی واقعہ۔ کوہ پیرے نیز کے دلچسپ و دلکش مناظر کی سیر۔ ایک نہایت ہی دلچسپ تاریخی ناول ۱ روپیہ ۴ آنہ —

ماہ ملک

دولت غوریہ کا عروج' سلاطین غوریہ کے کارنامے اور اُس عہد کی معاشرت۔ ۲ روپیہ—

طاہرہ

لکھنؤ کے آخری عہد شاہی کا ایک نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ناول جس سے ہماری معاشرت کو بہت سے فائدے پہونچ سکتے ہیں بالکل نیا اور اچھوتا۔ ۱ روپیہ—

حسن کا ڈاکو

حرام پور کے نواب کا اعمال نامہ حصۂ اول ۱۲ آنہ حصۂ دوم ۱۲ آنہ—

اسرار دربار حرام پور حصۂ اول و حصۂ دوم

نواب معذور کے رہے سہے حالات۔ فی حصہ ۵ آنہ—

خوفناک محبت

ہندوستانی شریف زادیوں کی پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی ۱ روپیہ ۴ آنہ—

غیب دان دولھن

بی بی کی حیرت انگیز غیب دانی ۱ روپیہ—

مینا بازار

شاہجہاں کے عہد کا ایک دلچسپ اخلاقی و تاریخی ناول ۱ روپیہ—

نیکی کا پھل

مولانا کا سب سے آخری تاریخی ناول۔ ۱ روپیہ—

———:0:———

(ڈرامے اور نظمیں)

اسیری بابل

گولڈاسمتھ کے ایک ڈراما کا نظم اُردو میں ترجمہ۔ ۴ آنہ—

زمانہ اور اسلام

ایک پرسوز و گداز نظم۔ ۳ آنہ—

شب غم

فراق کی بیتابیاں اور بیقراریاں - ۱ آنہ—

—— : o : ——

متفرق تصانیف

الحکم الرفاعیہ

معرفت میں سید احمد رفاعی کے ایک پر مغز رسالے کا ترجمہ - ۲ آنہ—

حلیۃ العذرا (فارسی)

دین برحق حنیفی کی تاریخ جس میں انبیاے سلف کے صحیح مشرح حالات کے سلسلے میں تاریخ قدیم بھی درج کر دی گئی ھے - اسیریا - مصر - یونان - روم کے پورے تاریخی حالات موجود ھیں اور ملت ھاے یہود و نصاریٰ کی سچی تاریخ معلوم ھو جاتی ھے اور کل سنین ولادت محمدی سے نکالے گئے ھیں - اس کتاب کو مولانا نے اپنی صاحبزادی کی تعلیم کے لئے نہایت سلیس و فصیح فارسی میں لکھا اور چکنے سفید ولایتی کاغذ پر چھپوایا ھے - قیمت حصۂ اول ۱ روپیہ - حصۂ دوم ۲ روپیہ ۸ آنہ ' کامل ۳ روپیہ ۸ آنہ—

سرسید کی دینی برکتیں

اِس کا بیان کہ سرسید احمد مرحوم سے مسلمانوں کو کیسا دینی فائدہ پہنچا - ۲ آنہ—

ھندوستان کی موسیقی

مولانا شرر کا ایک عالمانہ لکچر جس میں ھندی موسیقی پر عربی موسیقی کا اثر دکھایا ھے ۴ آنہ—

معیار زندگی

مولانا مرحوم کا ایک قابل قدر لکچر ۴ آنہ—

معتزلہ

فرقۂ معتزلہ کے مفصل حالات - اس فرقے کا عروج و زوال ۱۲ آنہ—

—— : ● : ——

دلگداز کی جلدیں

جلد دلگداز سنہ ۱۸۹۰ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۰ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۵ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۶ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۶ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۷ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۸ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۹ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۲۱ ع یہ جلد ۱۹۲۰ ع و ۱۹۲۱ ع میں مرتب (ہوئی مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۲۲ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۲۳ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۲۴ ع (دس پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

اتالیق بی بی

میاں بی بی کی نوک جھوک خلوت کا جاسوس ۸ آنہ —

پاداش عمل

رینالڈز کے مشہور ناول کلتھ کا نہایت فصیح اور عام پسند ترجمہ یہ ناول نہایت ہی دلچسپ اور دیکھنے کے قابل ہے جن لوگوں نے دیکھا بہت پسند کیا۔ پانچ جلدوں میں پورا ہوا۔ حصۂ اول ۱ روپیہ ۴ آنہ حصۂ دوم ۱ روپیہ ۴ آنہ - حصۂ سوم ۱ روپیہ ۴ آنہ - حصۂ چہارم ۱ روپیہ ۴ آنہ - حصۂ پنجم ۱ روپیہ ۱۲ آنہ - مکمل کی قیمت ۶ روپیہ ۱۲ آنہ

دولت ہسپانیہ عرب

خود اسپین کا مورخ کانڈی وہ ہے جس کی نسبت یقین کرنا چاہئے کہ اسلام

المشتہر

منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

کا دلدادہ اور مسلمان تھا۔ اصل عربی و ھسپانی تاریخوں سے اخذ کرکے ایک صدی پیشتر اِس نے یہ صحیح تاریخ لکھی تھی جو تقریباً پانچ پانچ سو صفحوں کی تین جلدوں میں ھے - اِس کا ترجمہ یورپ کی سب زبانوں میں ھوگیا ھے - اب مولوی محمد صدیق حسن صاحب نے بڑی محنت سے اور عربی ناموں کی تصحیح کے ساتھہ اُس کا ترجمہ اُردو میں کیا - قیمت حصۂ اول ۱ روپیہ حصہ دوم ۱ روپیہ ۴ آنہ حصہ سوم ۲ روپیہ ۲ آنہ حصۂ چہارم ۱ روپیہ ۴ آنہ حصۂ پنجم ۲ روپیہ —

رفع النقاب

مروجہ پردہ کے خلاف ایک مدلل رسالہ ۸ آنہ —

راماٹو کے بعض سین ۴ آنہ —

مسلمان تاجداران ھند حصۂ اول

یعنے مسلمانوں کے ھندوستان میں آنے اور حکومت کرنے کی مجمل مستند اور نہایت بکارآمد تاریخ جس میں خلافت فاروقی سے آخر عہد سلاطین غوریہ تک کے حالات بہت اچھی اور سادی زبان میں بیان کردیے گئے ھیں قیمت فی جلد ساڑھے ۵ آنہ —

مسلمان تاجداران ھند حصۂ دوم

جس میں غلام تاجداروں کے عہد سے صاحبقران تیمور کے حملے تک کے تمام حالات بیان کردیے گئے ھیں - قیمت ساڑھے ۲ آنہ —

مسلمان تاجداران ھند حصۂ سوم

جس میں صاحبقران تیمور کے ھندوستان سے جانے کے بعد جو سلطنتیں قائم ھوئیں اُن کا اور سلاطین سادات اور لودھی و بابر و ھمایوں و شیر شاہ اور اس کے خاندان کے دیگر بادشاھوں کا حال لکھا گیا ھے - قیمت ۸ آنہ —

مجذوب

جنگ کریمیا کے واقعات پر ایک دلچسپ ناول جس میں سباسٹپول اور پیرس کے مناظر اور انگریزی اور فرانسیسی معاشرت کے اختلافات نہایت خوبی کے ساتھہ بیان کئے گئے ھیں قیمت ۸ آنہ —

مولانا شرر مرحوم کی یادگار

دلگداز

لکھنؤ کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ جس نے زبان اُردو کے علمی خزانے کو اعلی لٹیریچر سے بھر دیا - خریداروں کو ایک سال خریدار رہنے کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خریدار رہیں تو ایک نیا ناول مفت نذر کیا جاتا ہے اور وہی سال مابعد کے چندے اور محصولڈاک پر وی‌پی روانہ کردیا جاتا ہے قیمت سالانہ مع محصولڈاک ایک روپیہ آٹھ آنے دلگداز کا وی پی ایک روپیہ گیارہ آنے کا اور ناول کا اُس کا محصول بڑھاکے ایک روپیہ بارہ آنے کا بھیجا جاتا ہے —

منیجر دلگداز

کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ